الہام و افکار

جوشؔ ملیح آبادی

الہام و افکار

جوش ملیح آبادی

ILHAM-O-AFKAR (*Poetic Collection*)
by JOSH MALIHABADI

اشاعت ۲۰۰۲ء

تعداد ۵۰۰

قیمت ۲۵۰ 250/-

طباعت سرسوتی پریس، الہ آباد

ناشر
جوش وفراق لٹریری سوسائیٹی
انڈیا

ملنے کے پتے:

۱۔ ادارۂ نیا سفر، ۶۸ مرزا غالب روڈ، الہ آباد۔۳
۲۔ دانش محل۔ امین آباد، لکھنؤ
۳۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار۔ دہلی
۴۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڈھ
۵۔ کتابی دنیا، ترکمان گیٹ، دہلی
۶۔ ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، دہلی

جوش کے پرستاروں کے نام

کَس ، بَجُز شاعِر ، تَلاشِ ما ، نہ می فَہمَد کلیمؔ
شِعر فہماں ، جُملہ صیّاد اند ، صَیدِ بَستہ را

فہرست



چند باتیں

اس میں کیا شک ہے کہ جوشؔ، بیسویں صدی کے اقبالؔ کے بعد سب سے بڑے شاعر ہیں۔ کسی عظیم شاعر کی موجودگی میں اس کے اثرات سے نکل کر اپنی منفرد پہچان بنانا بہت مشکل کام ہوا کرتا ہے لیکن جوشؔ نے یہ مشکل کام آسانی سے انجام دیا۔ جوشؔ کی شراب اور شباب سے وابستہ قلندرانہ اور بظاہر نقد و نظر سے بیگانہ شخصیت کو دیکھتے ہوئے لگتا تو نہیں کہ انھوں نے ایسا سوچ سمجھ کر کیا ہوگا۔ اس میں بھی شک محسوس ہوتا ہے کہ ان کی شاعری اور بالخصوص انقلابی شاعری کی کوئی منضبط فکر رہی ہوگی۔ جوشؔ کو لے کر ایسے کئی سوالات ہیں جو اکثر اٹھائے گئے ہیں۔ ادب بڑی بے رحم شے ہے اس میں عظمت۔ شہرت اور اہمیت کا کھیل یونہی نہیں ہوتا۔ کھوکھلی شہرت اسے راس نہیں آتی۔ مال و دولت۔ جاہ و حشم اس کے رقیب ہیں۔ بے جا شور و غل۔ ہنگامہ خیزی سے اسے بیر ہے۔ بڑے بڑے بہہ گئے گمنامی کے دریا میں لیکن اتنا عرصہ گذر جانے اور بے پناہ مخالفتوں کے باوجود جوشؔ پوری اردو دنیا میں آج بھی ایک بڑے شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ بیجا مخالفتوں نے جوشؔ کو وہ حیثیت عطا نہیں کی جس کے وہ حقدار تھے اس کی ایک وجہ خود جوشؔ بھی تھے۔ اردو میں چند خوش قسمت یا بد قسمت شاعر ایسے ہیں جو اپنی آزاد خیالی بے باکی اور نزاعی صورتوں کی وجہ سے ذمہ دار اور ایماندار تنقید کا حصہ نہیں بن سکے یا ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا جا سکا، جوشؔ ان میں سرِ فہرست ہیں۔ اس کے کئی اسباب ہیں، ایک تو خود جوشؔ دوسرا عہد جوشؔ، جوش اور عہد جوش کے تضادات و تصادمات کچھ اسطرح گھل مل گئے ہیں کہ ہم آج بھی عہدِ جوش کے تعصبات سے باہر نہیں نکل پائے ہیں، ان تعصبات کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ جوشؔ کی اس جمالیات پر گفتگو نہیں ہو سکی جو اس کی اپنی تو تھی لیکن اس کا براہ راست تعلق ہندوستانی جمالیات سے تھا۔ عام طور پر ترقی پسند شاعری کو مارکسی جمالیات کے حوالے سے دیکھا جاتا ہے لیکن جوشؔ غالباً تنہا شاعر ہیں جنھیں ہندوستانی جمالیات کے بغیر سمجھ پانا ممکن نہیں۔ جوشؔ کی شاعری میں ہندوستان اور اس کا حسن دھڑک رہا ہے۔ اس میں صرف صبح و شام، کھیت باغ اور جنگل کے حسین مناظر ہی نہیں بلکہ بازار۔ چوپال۔ خانقاہ۔ مولوی۔ پنڈت۔ مہاجن۔ کسان اور عام آدمی کی تصویریں بھی نظر آتی ہیں۔ ہندوستانی جمالیات اور مارکسی جمالیات کی خوبصورت آمیزش اپنے پورے فطری پن کے ساتھ جوش کے یہاں نظر آتی ہے اور یہاں یہ بات کہنے میں حرج نہیں کہ ہندوستانی جمالیات کو مارکسی نگاہوں اور مارکسی جمالیات کو ہندوستان کی معاشرت کے حوالوں سے دیکھنے کی پہلی بار کوشش کی گئی اور بڑی سرمستی اور شاعرانہ چابکدستی کے ساتھ، فکشن میں تو اس کی کئی مثالیں مل جائیں گی کیا اردو شاعری میں جوشؔ سے قبل ایسی کوئی مثال ملتی ہے۔

عام طور پر جوشؔ کو شاعرِ شباب یا شاعرِ انقلاب کے طور پر جانا گیا۔ انھیں زود گو کثرت نویس اور لفاظی کا شاعر کہا گیا۔ طرح طرح کے الزام لگائے گئے۔ الزامات کی اس بھیڑ میں زیر و زبر کرنے کی ان بے تکی کوششوں میں ان کا وہ کلام سنجیدگی سے پڑھا ہی نہیں گیا جو واقعی پڑھے جانے کے قابل تھا اور آج بھی فکر و فلسفہ۔ قدر و نظر کے اعتبار سے فکر انگیز اور معنی خیز ہے۔ اس اعتبار سے ان کا مجموعہ الہام و افکار بیحد اہمیت رکھتا ہے جو مدت سے کمیاب اور نایاب ہے۔

جوشؔ لٹریری سوسائٹی کنیڈا کے صدر اور ممتاز ادیب و شاعر اقبال حیدرؔ جنھوں نے جوش کا ایک ایک لفظ پڑھا اور سمجھا ہے ان کا بھی یہی خیال ہے کہ الہام و افکار میں جوش کی فکر نے اپنی بلندیاں چھوئی ہیں اور اس میں اصل مفکر و دانشور جوشؔ اُبھر کر آئے ہیں۔ ان کی خواہش اور ہدایت پر ہندوستان میں قائم جوشؔ اور فراق لٹریری سوسائٹی کے زیرِ اہتمام یہ مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے کہ ہندو پاک میں اس وقت جو سماجی اور سیاسی حالات بن رہے ہیں یا بنائے جا رہے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے جوشؔ و فراقؔ کو قریب لانے، ان کی عمدہ کتابوں کو از سرِ نو شائع کرنے کے کئی مقصد و مطلب ہیں کچھ یہ بھی کہ اب ہمیں جوشؔ و فراقؔ اور ہندو پاک کے تمام امتیازات کو مٹا کر انسان اور انسانیت، تہذیب اور ثقافت کی وحدت پر زور دینا چاہیے اور پوری انسانی برادری کو ایک رشتہ میں باندھنا چاہیے۔ یہی ان دونوں شاعروں کا نظریۂ ادب تھا اور مقصدِ حیات بھی۔ اگر ہم ان کے سچے وارث ہیں تو ہمیں عالمی صورتِ حال کو بالعموم اور ہندو پاک کی زوال پذیر صورتوں پر بالخصوص نہ صرف غور و فکر بلکہ اپنی بساط کے مطابق عملی جدوجہد میں حصہ لینا چاہیے۔ صدائے احتجاج بھی بلند کرنا چاہیے۔ ان تمام علمی اور عملی صورتوں کے لئے جوشؔ اور فراق کی شاعری بہر حال ہماری رہنمائی اور ہمت افزائی کرتی ہے۔ اس وقت جوشؔ و فراقؔ سوسائٹی کے قیام اور ان کی کتابوں کی اشاعت کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں برادرِ محترم اقبال حیدرؔ نے تعاون فرمایا۔ ہم ان کے شکر گذار ہیں وہ انسان پرست انسان ہیں اسی لئے جوش و فراق پرست بھی۔ ان کی معاونت اور وابستگی اس بات کی دلیل ہے۔ میں ذوالفقار صدیقی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے نشر و اشاعت کے تمام مرحلوں میں میرا ہمیشہ ساتھ دیا ہے۔

امید کرتا ہوں موجودہ تناظر میں جوشؔ کے اس مجموعہ کی اشاعت اور قرأت جوشؔ فہمی ہی نہیں ادب فہمی اور ادبی ذمہ داریوں کی نئی صورتوں سے آشنا کرے گی۔

علی احمد فاطمی

جنرل سکریٹری

جوش و فراق لٹریری سوسائٹی، انڈیا

بنامِ قوّت وحیات

میرے اجزائے فکر

میرا یہ نام ہے جو ذرا سا — اس امر میں
شامل فقط زمیں ہی نہیں، آسماں بھی ہے
اس منزلت میں، مرحمتِ ملحداں کے ساتھ
کچھ عنصرِ نوازشِ روحانیاں بھی ہے
تنہا نہیں نوازشِ روحانیاں کی بات
فیضانِ اشتراکِ خرابائیاں بھی ہے

طبعِ رَسا کی زُلفِ دوتا میں گُندھا ہُوا
میرا تسلسُل اَدَبِ خانداں بھی ہے
کچھ میرزائیاں بھی ہیں طرزِ سُخن کے ساتھ
اَور کچھ ستیزہ کاریٔ افغانیاں بھی ہے
گو، زیبِ سر، کلاہِ نمد ہے، مگر ندیم
زیرِ کلاہ، طُرّہ تاجِ کیاں بھی ہے
مجھ میں ہے یہ جو عجزِ گدایانِ رہ نشیں
اس عجز کی جلو میں غرورِ شہاں بھی ہے
رگ رگ میں رقصِ خونِ رئیساں نہیں فقط
نس نس میں دردِ خستگیٔ مُفلساں بھی ہے
دل میں ہجومِ جذبۂ عشرت کے ساتھ ساتھ
سر میں ہوائے خدمتِ محنت کشاں بھی ہے

اَقوالِ خُفتہ پا کے تھکے قافلے کے ساتھ
اَفکارِ نوقدم کا جواں کارواں بھی ہے

لب پر نہیں ہیں صرف حکایاتِ رفتگان
نوکِ زباں فسانۂ آیندگاں بھی ہے

آغازِ کائنات کے نغموں کے ساتھ ساتھ
اَنجامِ زندگی کا غمِ جاوداں بھی ہے

قندیلِ نسلِ تازہ کی لو بھی ہے ذہن میں
یاروں کی شمعِ کُشتہ کا دل میں دُھواں بھی ہے

سنگم ہوں موج ہائے صبا و سموم کا
خالی یہاں بہار نہیں ہے، خزاں بھی ہے

کانوں میں، اہلِ سود کے نغمے بھی موج زن
دل کے نگر میں نوحۂ اہلِ زیاں بھی ہے

تہذیبِ فکرِ کشورِ دہلی کے ساتھ ساتھ
فردوسِ لکھنؤ کی کھنکتی زباں بھی ہے

اس اوج میں عجم ہی نہیں ہے فقط شریک
تائیدِ خاکِ زندہ ہندوستاں بھی ہے

طرزِ بیاں میں تمکنتِ قطب ہی نہیں
موجِ سخن میں شوخیٔ آبِ رواں بھی ہے

طرحِ سکوت و شیوۂ تمکیں کے ساتھ ساتھ
سیلِ غنا و جنبشِ رطلِ گراں بھی ہے

اس دائرے میں مرمرِ فولاد ہی نہیں
کانِ بلور و کارگہِ پرنیاں بھی ہے

حامی نہیں ہے صرف تب و تابِ خاکیاں
پُشتِ سخن وری پہ صفِ نوریاں بھی ہے

اس اعتدالِ نغمہ و آہنگ میں ، ندیم
ناقوس کی صدا ہی نہیں ہے، اذاں بھی ہے
نامِ خدا کے نغمہ پیشیں کی گونج میں
گُل بانگِ دل نوازِ حدیثِ بتاں بھی ہے
وہ قوسِ کائنات جو برسا رہی ہے تیر
اُس میں کچھ ابروؤں کی لچکتی کماں بھی ہے
اس اوج میں ہے نجمِ سحر کا بھی کچھ فروغ
کچھ آب و تابِ خالِ رُخِ مہ وشاں بھی ہے
کچھ موجِ التفات ہے شب ہائے ماہ کی
کچھ فیضِ نورِ صبحِ سعادت نشاں بھی ہے
کچھ مُطربانِ پختہ کی بھی ہیں نوازشیں
کچھ دل برانِ خام کا لُطفِ نہاں بھی ہے

کچھ میرے ظرف نے بھی دیا ہے سبو کو رنگ
اور کچھ گدا نوازیٔ پیرِ مغاں بھی ہے

سر پر ہیں ابرِ کفر کی پرچھائیاں بھی جوشؔ
سینے میں جنبشِ دلِ پیغمبراں بھی ہے

عُرُوجِ انسانی

(۱)

ہر اِک دَقیقۂ تحقیقِ انبیائے شعُور
لیے ہے دوش پہ بارِ دو صد سنین و شہُور
ہجُومِ ظُلمتِ پُرہول سے اُداس نہ ہو
کہ ہے طُلوع سے آبستنی شبِ دیجُور
فساد و فتنہ و ہنگامہ و تلاطم پر
نہ رو کہ دَورِ عبُوری کا ہے یہی دستُور

ہر اِک چاک ہے اِک جادۂ حریمِ رفو
ہر ایک اشک ہے اِک محملِ نگارِ سرور
سمومِ فتنہ ہے پیکِ نسیمِ امن و اماں
فغانِ کرب ہے پیغمبرِ دف و طنبور
درونِ جوہرِ خنجر ہے سیلِ آبِ حیات
بطونِ زہرِ ہلاہل ہے بادۂ انگور
عذاب میں ہے نہاں موجِ رودِ شیرینی
سراب میں ہے رواں دجلۂ شرابِ طہور
حجابِ شعلہ میں غلطاں ہے جلوۂ شبنم
نقابِ سنگ میں پوشیدہ ہے جمالِ بلور
چراغِ آہ کا دودِ پریدہ و شب رنگ
نگاہِ اہلِ نظر میں ہے عودِ خیمۂ نور

خفا نہ ہو کہ ہے عصرِ جدید گرمِ خروش
کہ مُردہ ہے وُہ جوانی جو پھونکتی نہیں صُور

(۲)

بساطِ خاک پہ، دھومیں ہیں شادمانی کی
کہ آ رہا ہے جوانی پہ آدمی کا شعُور

اُتر رہی بتدریج، باغِ رضواں سے
عذارِ خاک پہ شیرینیٔ تبسّمِ حُور

زہے کرامتِ ضربِ شدیدِ فکرِ جدید
فضا، دفینہ اُگلنے پہ ہو گئی مجبور

جبینِ عرش پہ دمکے گی مُہرِ فرشِ بریں
ابھی نہیں، نہ سہی، آئے گا وُہ دَور ضرُور

عَجَب نہیں کہ بنے ایک روز نغمۂ "قُم"
مری صدائے "سلام" علیکُم اہلِ "قبُور"
عَجَب نہیں کہ سرِ بزمِ وحدتِ مُطلق
زبانِ "حق" پہ ہو اب نعرۂ "انا الْمنصور"
عَجَب نہیں کہ بہیجانِ آرزوئے جمال
درِ کلیم کو خود کھٹکھٹائے داورِ طور
عَجَب نہیں کہ اُٹھا لے ربابِ "کُن" اِک روز
یہ عبدِ بے سروساماں، یہ بندۂ مجبور
میں آج دیکھ رہا ہوں کہ ماہ و مہر و نجُوم
کھڑے ہُوئے ہیں کمر بستہ، آدمی کے حضُور
کوئی پُکار کے جوشِ آسمان سے کہہ دے
کہ اب زمیں کو تری بندگی نہیں منظور

اَے نوعِ بشر! جاگ

اَے خُفتہ ہُنر، خُفتہ گہر، خُفتہ نظر، جاگ
اَے خیرہ دِل و خیرہ سر و خیرہ جگر، جاگ
اَے خاک بجاں، خاک بکف، خاک بسر، جاگ
چمکے سرِ بالیں وُہ حوادث کے تبر، جاگ
ہو گی تو بہُت رُوح کو تکلیف، مگر، جاگ

اَے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اَے نوعِ بشر جاگ

آبا کے فسانوں کا تجھے اب بھی ہے سرسام
محبوس ترا ذہن، تری عقل زبوں گام
جھولی میں تری آج بھی اے بستۂ آلام
سیلے ہوئے اقوال ہیں، چکٹے ہوئے اوہام
اے کشتۂ اجداد، پئے نقد و نظر، جاگ
اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

دالان میں، بھٹکی ہوئی روحوں کے ہیں میلے

حجروں میں، شیاطین کے گھوڑوں کے طویلے

انگنائی میں اُس سمت، جدھر نصب ہیں کیلے

اجداد کے پالے ہوئے بھوتوں کے ہیں ریلے

اے جراءتِ کوبندۂ ہر خوف و خطر، جاگ

اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

افسردہ و حیراں ہیں ترے خواب سے افلاک
سیّار کے دل خوں، ثوابت کے جگر چاک
مفلوج ہے، کونین شکن ہمّتِ بے باک
تا چند خریداریٔ سنگ و خس و خاشاک

اے مشتریٔ شمس و خریدارِ قمر جاگ

اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

تو جنسِ تعصّب کا خریدار ہے اب تک
مُلکوں کے گھروندوں میں گرفتار ہے اب تک
دل وحدتِ اقوام سے بیزار ہے اب تک
تو مُشرک و خوں خوار و سیہ کار ہے اب تک

انسان کے اے دیدۂ توحید نگر جاگ

اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

اِک عُمر سے برپا ہے دلِ سنگ میں کہرام

مضطر ہے ترشنے کے لیے خاطرِ اصنام

میدان ہیں بےتاب کہ شہروں کے ملیں نام

ذرّات کے سینوں میں پرافشاں ہیں در و بام

معمار! تری سمت ہے گیتی کی نظر، جاگ

اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

تا چند یہ بے مائیگی و برہنہ پائی
تا کے یہ فغاں "ہمتِ مردانہ کجائی"
تا چند بایں جوہرِ تخئیلِ خدائی
ایں کاسۂ دریوزہ و ایں ذوقِ گدائی

ذوقِ علم و حوصلۂ تاج و کمر جاگ

اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

تارِیخِ غلَط لہجہ کی ہے شوخیٔ گفتار
یہ قول کہ تو بھی تھا کبھی زیرک و بیدار
واللہ کہ یہ ڈینگ ہے، اے یارِ زبوں کار
اور سچ بھی ہو بالفرض تو اے خفتہ و نادار

ہاں، بارِ دگر، بارِ دگر، بارِ دگر، جاگ
اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

۵

قدموں پہ جھکانا ہے تجھے تاجِ کیانی
اپنے کو بنانا ہے تجھے یوسفِ ثانی
دینا ہی نہیں صرف بڑھاپے کو جوانی
تجھ کو نہیں بھرنا ہے فقط آگ سے پانی

خود موت کو کرنا ہے تجھے زیر و زبر، جاگ
اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

انفاسِ مکاں تول، نشاناتِ زماں دیکھ
دیوارِ جہنّم میں، درِ باغِ جناں دیکھ
گرداب کے بازار میں، شعلوں کی دکاں دیکھ
شعلوں کے تپاں شہر میں، شبنم کا مکاں دیکھ

اے خسروِ آگاہی و خاقانِ خبر، جاگ

اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

وُہ، نبضِ شبِ تار رُکوں چھوٹ رہی ہے
کاشانۂ ظلمت کو ضیا لوٹ رہی ہے
وُہ، دیوِ سیاہی کی کمر ٹوٹ رہی ہے
ہاں دیکھ، وُہ، مشرق سے کرن پھوٹ رہی ہے

ہے وقتِ سحر، وقتِ سحر، وقتِ سحر، جاگ
اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

آفاق میں جو کچھ ہے وہ دانا کی نظر ہے

وجدان نہیں، عقلِ جہاں سنجِ خضر ہے

دل، مرکزِ اندیشہ، نہ ملجائے خبر ہے

انسان کی دولت ہے کوئی چیز تو سر ہے

اے نیند میں ڈوبے ہوئے، اِنسان کے سر، جاگ

اے نوعِ بشر، نوعِ بشر، نوعِ بشر جاگ، اے نوعِ بشر جاگ

زندانِ مُثلّث

(لسان، اَدیان، اَوطان)

(۱)

کب تک رہیں گے آخر یہ طنطنے، یہ تیور
یہ تیر، یہ کمانیں، یہ نیچے، یہ نشتر
یہ آدمی، یہ شاہِ آفاق و میرِ دوراں
نکلے گا کب حصارِ جغرافیہ سے باہر
کب تک پڑا رہے گا زندانِ تیرگی میں
یہ کہکشاں کا دارا، یہ مہر و مہ کا داور

حائل رہیں گے کب تک ذوقِ یگانگی میں
صحراؤں کے یہ گھیرے، دریاؤں کے یہ چکر
عقلوں کے آئینوں پر، اے مُقبلانِ کم ہیں
کب تک پڑے رہیں گے حد بندیوں کے پتھّر
حُبِّ وطن کے سر پر، اے اوجِ آدمیّت
کب تک نہیں پڑے گی حُبِّ جہاں کی ٹھوکر
کب تک بنی رہیں گی چینِ جبینِ آدم
نقشوں کی یہ لکیریں، ہم شکلِ مار و اژدر
تو کیا سمجھ سکے گا نوعِ بشر کی وحدت
اے ابنِ دین و ایماں، اے عبدِ نسل و گوہر
ٹاپوں سے کپکپاتے اصطبلِ زندگی میں
کب تک رہے گا آخر لتیا دُ اے برادر

3

چلتی رہے گی کب تک، اے زندگی بتا دے
یہ مذہب و زباں کی، ذہنوں میں، بادِ صرصر

(۲)

کب تک بنے رہو گے اے وارثانِ آدم
"اپنوں" میں آبِ کوثر، "غیروں" میں تابِ خنجر
یہ "غیر" کا تصوّر، افلاسِ آگہی ہے
رہتے نہیں ہیں، پیارے، "اغیار" اس زمیں پر
مشرق سے تا بمغرب، اک نسل، اک نسب ہے
اس آسماں کے نیچے، اور اس زمیں کے اوپر
قوموں میں بانٹتا ہے جو نسلِ آدمی کو
مشرک ہے، اور کافر، کافر ہے بلکہ اکفر

(۳)

تیری ہی طرح ، ناداں ، ہم نسل و ہم گہر ہیں
سنگ و بلور و خشت و لعل و گیاہ و گوہر

تجھ کو خبر نہیں ہے اب تک کہ فی الحقیقت
ہم جد ہیں خار و نسریں ، توام ہیں برگ و مرمر

میری ہی طرح تو بھی اے کاش دیکھ سکتا
آغوشِ خس میں سوسن ، زانوئے شب پہ خاور

ہستی کا دیکھ مکھڑا ، میری نظر سے پیارے
اسماء کو محو کر کے ، اشکال کو ہٹا کر

اس کی بھی کچھ خبر ہے تجھ کو کہ ضو فشاں ہے
پیشانیٔ خزف پر ، لعل و گہر کا جھومر

جس کی لپیٹ سے گلشن سارا مہک رہا ہے
جھانکی ہے نسترن سے یہ خاک مسکرا کر
تجھ کو بھی یہ پتا ہے کیسی جھلک رہی ہے
آتش کی چلمنوں میں، آبِ رواں کی جھالر
تو یہ بھی جانتا ہے اے قہرمان شاہیں
تیرا ہی ابنِ عم ہے، سہما ہوا کبوتر
کس کھوہ میں ہے آخر تیرا خطیبِ اعظم
اے راستی کی محراب، اے روشنی کے منبر
ہاں وحدتِ خدا کا اعلان ہو چکا ہے
اب، وحدتِ بشر کا، دنیا، کوئی پیمبر!!

آغازِ حرکت

مجھے نہیں ہے کچھ اس سے ہراس، اے دم ساز
کہ زیرِ سطحِ مسطح بھی ہے نشیب و فراز
چٹخ رہی ہیں چٹانیں، دڑک رہے ہیں پہاڑ
زہے تجلیٔ نفاذِ فکرِ آئینہ ساز
زہے جلالتِ خدامِ عارفانِ جدید
بہر نگاہ کرامت ، بہر نفس اعجاز

فلک پہ ڈنگ ہے زُہرا، زمین پر داؤد
حریمِ ذہنِ بشر میں چھڑے ہُوئے ہیں وہ ساز
ترانہ ریز ہیں کچھ یوں مُغنّیانِ زمیں
کہ مُطربانِ سماوی ہیں گوش بر آواز
رواں ہیں، جانبِ انساں، نقاب اُٹھائے ہُوئے
فضا کے بھید، زمیں کے رُموز، چرخ کے راز
گدا کے پاؤں کی جانب جھکی ہے گردنِ شاہ
سرِ نیاز کی جانب، بڑھا ہے افسرِ ناز
وُہ پا چُکا ہے فروغِ انکارِ پروانہ
کہ شمع بھول گئی ہے غرور کے انداز
فقیہِ شہر سے کوئی پُکار کر کہ دے
کہ اب ہے عرش کا دارا، دماغِ فرش نواز

بَرہمنوں نے بغاوت پہ باندھ لی ہے کمر
لرز رہے ہیں بُتانِ عظیم و سر افراز
دھڑک رہا ہے دلِ آسمانِ شُعلہ مزاج
اُٹھا رہی ہے زمیں دیدہٗ قدر انداز
اُڑی ہوئی ہے تب و تابِ خُسروِ خاور
ہُوا ہے ذرّہ کچھ اِس طرح مائلِ پرواز
بہت خلا میں نہ اکڑیں ثوابت و سیّار
کہ خاک پر، حرکت کا ہُوا ہے اب آغاز
جو مُسکرائے گا اِک روز آبِ حیواں پر
بنا رہی ہے تمنّائے زندگی وہ جہاز
مری رہِ ابدیت پہ چل نہ پائے گا
مسیح و خضر کا یہ اِختصارِ عمرِ دراز

جَبینِ جوش ہے اِس آرزو میں، زانو پر
کِہ اِس اتھاہ خَموشی سے کھَینچ لے آواز

بشارت

نہ ہو ملول ۔ اِدھر سے وہ یار گزُرے گا
اَور ایک بار نہیں، لاکھ بار گزُرے گا
اُٹھائے دوش پر، اِک دِن، ہزار ہا صُبحیں
ہر اِک دقیقۂ شب ہائے تار گزُرے گا
مَچل رہی ہے جہاں آب وتابِ مکرِ سراب
وہیں سے پیچ وخمِ جوئے بار گزُرے گا

جہاں سیاستِ یخ سے جما ہُوا ہے لہو
وَہیں سے لشکرِ برق و شرار گزرے گا

رہِ خزاں سے نہ اُٹھ، ہم نشیں، کہ پل بھر میں
یہیں سے قافلۂ نو بہار گزرے گا

خُدا گواہ انھیں بے سواد کوچوں سے
جُلوسِ گیسو، چشم و عذار گزرے گا

اسی مدینۂ زندی سے، لرزہ براندام
غُرورِ عابدِ شب زندہ دار گزرے گا

اسی گلی سے وُہ گوہر جبین و آہو چشم
عدن بدوش و ختن در کنار گزرے گا

پئے طواف مُڑے گی اُدھر نسیم و شمیم
تری گلی کا جدھر سے غبار گزرے گا

وہاں پنپ نہ سکے گا غرورِ چتر و کلاہ
کبھی جدھر سے ترا انکسار گزرے گا

دلِ فضا میں پر افشاں ہے آرزوئے غبار
ضرور ادھر سے کوئی شہ سوار گزرے گا

یہ ایک شب کی تڑپ ہے، سحر تو ہونے دو
بہشت سر پہ لیے روزگار گزرے گا

چھڑا جو تذکرۂ اوجِ آسماں اے جوشؔ
مری زمیں کو بہت ناگوار گزرے گا

معاش و معرفت

(۱)

سُرور میں بھی حقائق کی فکر، حق کی تلاش
یہ کس قصور کی آخر ہے ، دارو گیر ، پاداش
مجھی کو جستجوئے صبح کی ہے کیوں تاکید
تمام شہر تو ہے شب گزیدہ و خفّاش
مجھی پہ کیوں یہ کرم ہے کہ وقت مستی بھی
ہر ایک نقش میں ڈھونڈوں تجلیٔ نقاش

مجھی کو، نقدِ بتاں پر کیا ہے کیوں مامور
تری زمیں پہ تو لاکھوں ہیں متّقی عیّاش

ترا، برغمِ فقیہاں، یہ مدّعا کیوں ہے
کہ مجھ سے رند پہ، اسرارِ کائنات ہوں فاش

صلے میں کون سی خدمت کے، چاہتا ہے یہ تو
کہ پائے تاجِ ولایت، یہ شاعرِ اوباش

عطا ہوا ہے مجھے کس خطا پر اے معبود
شرارِ فرش گداز و شعورِ عرش تراش

(۲)

مگر یہ طرفہ ادا ہے کہ ذوقِ حق دے کر
عطا کیا ہے مجھے پیچ و تابِ فکرِ معاش

مرا وجود ہے اک طرفہ مرکزِ اضداد
کہ دیدہ اشک فشاں ہے، دماغ، گوہر پاش
بفیضِ جام ہوں، شب کو قباد و جم کا جلوس
بفکرِ وام ہوں، دن کو، غریب شہر کی لاش
اُدھر ہے چشمِ تحیّر میں تیرگی کا نور
اِدھر ہے قابِ تجسس میں آفتاب کی قاش
اُدھر خزف سے نمایاں، جسامتِ آفاق
اِدھر جسامتِ آفاق، دانۂ خشخاش
اُدھر یہ عجز کہ بے مایہ بندگی بھی قبول
اِدھر یہ کبر کہ ہم ذوالجلال ہوتے کاش
جو ایک طنز ہے اے جوشؔ، نارِ دوزخ پر
وہ اس جبیں کی شکن ہے، وہ اس جگر کی خراش

ایک مُکالِمہ

(ما بَینِ بندہؑ و خدُا)

"شاعِر، ترِے نَصیب میں خُلدِ بَریں نہیں"
"مے خوار، تَشنہؑ لبَن و اَنگبیں نہیں"
"بِھڑ کا حرِیمِ قَلب میں عشق و جُنوں کی آگ"
"عشق و جُنوں کی آگ، خَیال آفریں نہیں"
"دِل کی طرَف رُجوع ہو، اَے کُشتہؑ دماغ"
"دِل، طِفلِ کم نگاہ ہے، آفاق بیں نہیں"

"مومن، بشیوہ ہائے تفلسف ہے سرفراز"
"ملحد بھی، بربنائے تجسس لعیں نہیں"

"کیا دل نشیں نہیں ہیں مقالات مقبلاں؟"
"بے شبہ دل نشیں ہیں مگر سر نشیں نہیں"

"اٹھ، غیب کی زمین پہ رکھ دین کی بنا"
"مبنی جو غیب پر ہو، وہ افسوں ہے، دیں نہیں"

"اقوال پر نگاہ کر، افکار پر نہ جا"
"یہ خاک سار مولوی عبدالمتیں نہیں"

"رکھ دے، حریم قدس کے در پر سر نیاز"
"جھک جائے بے دلیل، یہ ایسی جبیں نہیں"

"وجدان کی شراب سے چھلکا سبوئے دل"
"بہر شراب وہم مرا ساتگیں نہیں"

"فطرت میں ہے کجی تو اُسے مستقیم کر"
"انساں تو کیا، یہ طاقتِ روح الامیں نہیں"
"دیدار کی تڑپ ہے تو عرشِ بریں کو دیکھ"
"کیا جلوہ گاہِ ناز یہ فرشِ مبیں نہیں"
"اچھا، تو آسماں کی طرف ہی نظر اٹھا"
"فدوی کے اقتدار میں اب تک زمیں نہیں"
"ہاتوں سے دیکھ حبلِ متیں چھوٹنے نہ پائے"
"محکم تر از خرد، کوئی حبلِ متیں نہیں"
"آ، سوئے نور و طور و طہور و قصور و حور"
"میں شہرِ ابلہاں کا، الٰہی، مکیں نہیں"
"ایقان ہے نگینِ سلیمانِ زندگی"
"ایقان، اک فریبِ نگیں ہے، نگیں نہیں"

4

"مُرغانِ بے نوا پہ جھپٹ، بہرِ مشقِ ناز"
"انسان ہوں، عُقابِ لئیم و لعیں نہیں"
"میں، تجھ پہ خشم گیں ہوں۔ اسیرِ دلیل و عقل"
"حکمت پناہ، یہ رَوشِ نُکتہ بیں نہیں"
"دوزخ ترا مقام ہے اے عبدِ بے الٰہ"
"نیت مری بخیر ہے، میں خشم گیں نہیں"
"ہوگی سزا، بروزِ جزا" - "با وُجُودِ جبر؟"
"سُنتے ہیں، آسماں پہ یہ رسمِ زمیں نہیں"
"کاشانۂ خیال میں شمعِ یقیں جلا"
"حکمت میں ڈوب کر جو نہ اُبھرے یقیں نہیں"
"بندے، نظامِ دہر سے شاید حزیں ہے تو"
"ہاں، مجھ کو اعتراض ہے، لیکن حزیں نہیں"

"کالوں سے رِشتہ جوڑ، عنانِ ذلیل توڑ"

"وُہ مُردہ ہے جو گرمِ چُنان و چُنیں نہیں"

"کیا، دِل مچل رہا ہے مِرے قُرب کے لیے؟"

"اللہ رے عارِفانہ تجاہُل، نہیں، نہیں"

"اے جوشؔ، دِل میں ہے کہ جگر میں کہاں ہے درد؟"

"اے شاہدِ بُتونِ دو عالم، کہیں نہیں"

زَمیں کا بُراق

رَواں ہُوا ہے ، سوُئے آسماں ، زَمیں کا بُراق
نگاہ رُو برُو ، اے رُوحِ اَنفُس و آفاق
بڑھا ہے ، جانبِ انساں ، دِرایتوں کا شعُور
مُڑا ہے ، سوُئے بیاباں ، رِوایتوں کا مراق
عَرُوسِ دانشِ حاضِر ، اُلٹ رہی ہے نَقاب
جھلک رہی ہے انگوٹھی ، دمک رہا ہے بُلاق

جو عصرِ رذل نے سدھائے تھے، بچگانِ فسوں

اُنھیں، دماغِ بشر، کر چکا ہے، یک سر عاق

تمام اثاثۂ ذہنی پہ تھی نظر جس کی

اب اُس عجوز کو دے دی ہے آدمی نے طلاق

اُٹھا رہا ہے ادب، سازِ منطق و حکمت

ذکاں بڑھاؤ اب اے مطربانِ وصل و فراق

زمین، توسنِ گردوں پہ ہو رہی ہے سوار

رکاب تھام کے چل، اے ذکاوتِ مشاق

بزور، پشتِ کواکب پہ کاٹھیاں رکھ دیں

ازل کے روز سے ذرّوں کا ہے یہ استحقاق

اب آدمی کے قدم آفتاب چومے گا

اب، آسمان کا ہوگا، زمین سے الحاق

بلندیوں پہ، نئے شہر جگمگائیں گے
قمر پہ قصر بنیں گے تو مشتری پہ رواق
جمودِ فقر و سکونِ قلندری کو سلام
کہ اب بشر ہے خبر تشنہ و نظر مشتاق
غلط کہ بارشِ رحمت ہے کارسازِ معاش
جبینِ اہلِ عمل کا پسینہ ہے رزّاق
نشیب کو جو حقوقِ فراز بخشے گا
خوشا کہ معرضِ تحریر میں ہے وہ میثاق
شہود و غیب کے دفتر، کھلے ہوئے ہیں تمام
حسابِ ارض و سما ہو رہا ہے اب بیباق
نکل رہا ہے جلوسِ مذاقِ فکرِ جدید
کدھر ہے ذرّیتِ عشق و امّتِ اشراق

اُبل رہے ہیں حروفِ کہن سے معنیٔ نو
محلِّ وجد ہے اے ناقدِ سیاق و سباق
ابھی نہیں، نہ سہی، کل یہ نعرہ گونجے گا
کہ دہر کا ہے بشر "قادرٌ علی الاطلاق"
مسیحِ وقت، پئے قطعِ حرفِ مرگ، اے جوشؔ
اُلٹ رہا ہے کتابِ حیات کے اوراق

مے خانۂ افکار

(۱)

مے خانہ، تابناک رہے، رند، بامُراد
یارب، دُعائے شعلہ دلاں مستجاب باد
تاکے، رہیں گے سنگِ رہِ راست، اے ندیم
زُہّادِ کوزہ عقل و فقیہانِ کج نہاد
یاروں کی غیبت، اور پھر اُن کی جناب میں
جن کی نظر میں کفر ہے دُشمن سے بھی عناد

رکھی ہے روزگار کی ناپختگی نے ، حیف
اقوال کی زمین پہ بنیادِ اعتقاد
اے رہ روانِ جادۂ اسلاف ، ہوش یار
دیکھو ، وُہ سامنے ہے مآلِ ثمود و عاد
پھبتا نہیں ہے عشق پہ دارُ القضا کا چتر
اب کج ہو فرقِ عقل پر ، اے تاجِ اجتہاد
اے اَحولانِ مدرسہ ، یادِ خدا ہے شرک
اپنے کو بھی کیا ہے کبھی آدمی نے یاد ؟
دیکھیں وُہ سوئے نعمتِ دارین کس لیے
حاصل جنھیں ہے دولتِ بیدارِ قلبِ شاد
ہم محرمانِ لیلیٰ اضداد کے حضور
نخ میں جہندگی ہے ، شرارے میں انجماد

ہر نقشِ پائے مردِ خود آگاہ پر نثار
صد طرّۂ اسکندر و صد افسرِ قباد
پست و بلند و ارض و سماوات و مہر و ماہ
اقطابِ فکر کے ہیں غلامانِ خانہ زاد

(۲)

ہر کارِ خیر میں ہے نہاں، آرزوئے اجر
اے وائے نفسِ شوم، تری تشنگی داد
شاید سوائے بندِ اجل اس زمین پر
ممکن نہیں ہے سیلِ تمنّا کا انسداد
اے وائے بر فسردگیِ عمرِ مختصر
فکرِ معاش و دردِ دل و دہشتِ معاد

صرف ایک آن زمزمہ، اور پھر تمام عمر
غوغائے روز و آہِ شب و اشکِ بامداد
سو بار، غرقِ خونِ تمنّا ہو زندگی
تب، ایک شب ہو جشنِ بہاراں کا انعقاد
اے بارگاہِ چنگ و چراغان و رقص و رنگ
حملے کے انتظار میں ہے شورِ برق و باد
یا، زلزلوں کی پشت پہ ہے قصرِ زندگی
یا، خود مرے خمیر میں ہے عنصرِ فساد
کس کو بتائیں علّتِ غم ہائے بے حساب
انساں، بجرمِ ذوقِ مسرّت ہے نامراد
اے جوش، نعرہ زن ہو کہ بہرِ علاجِ غم
فرزانگی سلامت و اندیشہ زندہ باد

امواجِ تخیل

(موجِ اوّل)

ہر نعرۂ مستانہ پہ جُھکتے ہیں سماوات
اللہ ری دارائیِ اقطابِ خرابات
ہر روز، دُھندلکے میں سُناتی ہے، رواں راگ
لپٹی ہوئی سلمے کی رِدائی میں، دواں رات
مشرق کے دریچے سے، مِری سمت، بصد ناز
آتا ہے کوئی، سر پہ لیے بربط و مشکات

تخئیل کی جھنکار کے تیشے سے ، دمادم
اصنام کے مانند، ترشتے ہیں خیالات
جس طرح برستے ہیں مرے سر پہ ترانے
کہسار پر اس دھوم سے گاتی نہیں برسات
ہر آن ، سناتے ہیں مجھے نغمۂ تاریخ
صدیوں کو، دقیقوں میں لپیٹے ہوئے لمحات
آتے ہیں نظر، لالہ و نسریں کی قبا میں
آب چمن و آتش خورشید کے جذبات
اک قلزم آتش نظر آتا ہے خروشاں،
اٹھتے ہیں رخ آب سے جس وقت حجابات
چھٹکے ہوئے لاکھوں، نظر آتے ہیں، ستارے
مکھڑوں سے ، دوشالوں کو، ہٹاتے ہیں جو ذرّات

ہر گام پہ ہم ، پُونچھ کے ، ماتھے کا پسینہ
خاکِ رہِ نسیاں پہ چھڑکتے ہیں عقوبات

شاعر کی سماعت ہے صدا چینِ خموشی
افسردہ ہے کیوں نطقِ جمادات و نباتات

نظریں جو اٹھاتا ہوں ، تو کہتی ہے یہ ناہید
میری بھی گرہ کھولیے ، اے قبلۂ حاجات

ہر لرزشِ مژگاں ہے اِک انبارِ تحائف
ہر موجۂ انفاس ہے اِک دجلۂ سوغات

کیوں سب کو ، ہماری ہی طرح ، فیض نہ پہنچا
ہم شکر کے موقع پہ بھی کرتے ہیں شکایات

پڑتی ہیں مسائل پہ اب اِس طرح نگاہیں
جس طرح ، جوانی میں حسینوں کی ملاقات

(موجِ ثانی)

اَے ذُرّیتِ کعبہؑ واَے آلِ کلیسا
پَس خُوردہؑ اَجداد ہیں تیرے نَظریات
تو سر پہ بٹھائے ہے خس وخارِ بیاباں
کانوں پہ اُٹھائے ہے عماراتِ روایات
اَقوالِ نیاگاں ہیں فقط کان کی اَفیُون
دیرینہ عقائد ہیں فقط ذہن کی عادات

میدانِ حقائق میں ہیں طومارِ معاصی
اربابِ جناں بستہ کے اعمال و عبادات
افسوس کہ اس بارگہِ فکر و نظر میں
اب تک ہے وُہی تذکرۂ کشف و کرامات
اخلاف کا سرمایہ ہیں اسلاف کے اوہام
خُوردوں کے حقائق ہیں بزرگوں کے قیاسات
الفاظ سے بے گانہ ، معانی سے معرّا
اے وائے بنادارئی اربابِ مُناجات
صد حیف کہ اس راز سے واقف نہیں احباب
بے کشمکشِ نفی نہیں لذّتِ اثبات
کچھ اور ابھی صبر کر، اے حرفِ جگر دار
کانوں میں ہیں گونجے ہُوئے صدیوں کے خُرافات

(موجِ ثالث)

اَے قَومِ غنا پیشہ و اَے نسلِ غزل باف
تیرا نفسِ مُردہ ہے ننگِ ادبیات
جو قافیے پر بیت گئی، وہ تو سُنائی
جو بیت گئی دل پہ، کبھی وہ نہ کہی بات
جو، والدِ ماجد کے شبستاں کی پری تھی
اَب تک اُسی ڈھڈو سے ہے، راتوں کو، مُلاقات

5

باقی نہیں ایامِ تمنّا کے شب و روز
اور تیرا وُہی سِن ہے، وُہی دن ہے، وُہی رات
اُفوہ، یہ ٹوٹے ہُوئے دانتوں کا تبسّم
اَخّاہ، یہ بیٹھی ہُوئی آنکھوں کے اشارات
مجنوں کا آوازہ ترا نغمۂ بے ربط
مجذوب کی بکواس، ترا لہجۂ ابیات
محروم ہے تو فکر کی ترتیب سے، افسوس
بیگانہ ہے تو شعر کی تہذیب سے، ہیہات
تو جلوۂ آفاق سے آگاہ نہیں ہے
اے جذبۂ جنسی کے خریدارِ بد اوقات
ہر چند کہ پیری کی بیاضیں ہیں سروں پر
بے باق نہیں پھر بھی جوانی کے حسابات

(موجِ رابع)

یہ کاشئ اندیشہ ہے، یہ کعبۂ افکار
رُک جاؤ اساطیر، ٹھہر جاؤ روایات
"اَعیانِ سماوات ہوں تسلیم کو حاضر؟"
اَعیانِ سماوات!! نہیں، میرِ سماوات
"خلوت میں "صفات" آئیں؟ یہ کیا پوچھ رہا ہے"
اے حاجبِ درگاہ، نہیں، ذات، فقط ذات

ہوتی ہے مری طبع ، خُود آیات پہ نازل
اس طبعِ مُعلّٰے پر اُترتے نہیں آیات

(موجِ خامس)

رَقص و دَف وقندیل سے ، ہم کو نہ لبُھاؤ
ہم لوگ ، حوادث کے ، سمجھتے ہیں اشارات
کانپے نہ رگِ جاں تو نہ آواز نہ آہنگ
لرزیں نہ اگر تار تو جھنکار ، نہ نغمات
ہر لحنِ طرب خیز میں ہے نوحۂ آلام
ہر ساغرِ لب ریز میں ہے قُلزمِ آفات
لرزاں نظر آتے ہیں ، دُھواں دھار ، رَت میں
رقّاصہ کے ، سینے کی ، اُنگھیٹی کے بُخارات

آہوں کو جھلستی ہے جو آہنگِ طرب سے
دیکھا ہے کہ ڈستی ہے دمِ صبح وہی رات

اِس مصرِ تمنّا کے بگولوں کی تہوں میں
ہم کو نظر آتے ہیں زلیخاؤں کے ذرّات

سُنتے ہیں، خرابوں سے، ربابوں کے فسانے
چُنتے ہیں، شراروں سے، نگاروں کے حکایات

ہر لحظہ، ترانوں سے نکلتی ہیں کراہیں،
ہر آن، بدھاووں سے اُبھرتے ہیں مزارات

اَے جشن کے رسیاؤ، ہمیں، غور سے، دیکھو
بھیگی ہوئی پلکوں میں ہیں باراں کے عقوبات

چہروں کی اُداسی میں ہے، اُجڑی ہوئی محفل
اَشکوں کے تلاطم میں ہے بیتی ہوئی برسات

اَعصاب میں چبھتی رہیں لچکتی ہوئی کمریں
سینوں میں کھٹکتے ہیں کھنکتے ہوئے لمحات
ماتھوں پہ ہیں نغموں کے تواتُر کی خراشیں
آنکھوں میں ہیں مضراب کی ضربوں کے نشانات
ہاں بول کچھ اے عُمرِ گُل آغاز و خس انجام
کس دیس میں ہیں جوشؔ کے یارانِ خوش اوقات

قانونِ درماں

حکمِ دوراں ہے، جب بڑھے ظلمت
مہرِ تاباں، طلوع ہو جائے
درد بڑھتے ہی، جانبِ درماں
زندگانی رجوع ہو جائے
تیغ جیسے ہی ڈوب کر ابھرے
زخم بھرنا شروع ہو جائے

قبل از وقت

اَسیرِ دامِ جہاں ، ما وَرا کی بات نہ کر
کہ اِبتدا ہے اَبھی ، اِنتہا کی بات نہ کر
ہر ادّعائے خبر ہے دَلیلِ بے خبری
حیا جو ہو تو کوئی اِدّعا کی بات نہ کر
غلط ہے خواجگیٔ خضر و چشمۂ حیواں
وُجودِ خواجہ و آبِ بقا کی بات نہ کر

نظامِ جبرِ مُکمّل جہاں مُسلّم ہے
اُس انجمن میں سزا و جزا کی بات نہ کر
ہنوز، بستگیٔ ایں سرا ہے زیرِ نظر
ابھی، کُشادگیٔ آں سرا کی بات نہ کر
مذاقِ دید و سُراغِ جمال کے آگے
حجابِ غیب و حریمِ خفا کی بات نہ کر
جہاں، نشیب میں، امراض کی حکومت ہے
وہاں، فراز کے دارُالشّفا کی بات نہ کر
محلِ گرسنگی و مقامِ عسرت میں
کسی خدیو کے بذل و سخا کی بات نہ کر
شکستہ حالیٔ خوردانِ بے نوا کے حضور
کسی بزرگ کے لطف و عطا کی بات نہ کر

بپا ہے خاک پہ جب تک کہ فتنۂ حاجات
کسی تونگرِ حاجت روا کی بات نہ کر
جہاں، لہو میں نہائے ہوئے ہوں لوگ، وہاں
کسی نگار کے رنگِ حنا کی بات نہ کر
جہاں ہے نالۂ شب گیر و گریۂ سحری
وہاں، لطافتِ آب و ہوا کی بات نہ کر
خیامِ شام و قیامِ ہوا کے محبس میں
پیامِ صبح و خرامِ صبا کی بات نہ کر
جہاں سیاستِ فرعون و سامری ہے محیط
وہاں، شکوہِ کلیم و عصا کی بات نہ کر
جہاں شرور و شرر زدا مرِ زندگی ہے وہاں
شکستِ ساغر و ترکِ غنا کی بات نہ کر

ابھی تو سطحِ زمیں پر نہیں جمی ہے نگاہ
ورائے کرسیٔ و تختِ الثّریٰ کی بات نہ کر
ابھی، میں بھی تو بھیگی نہیں ہیں انساں کی
ابھی سے قربتِ یومِ جزا کی بات نہ کر
ابھی حجاب میں ہے داورِ قضاؤ قدر
ابھی قدر کو نہ سمجھا، قضا کی بات نہ کر
پتا نہیں ہے ابھی تک مجیبِ دعوت کا
ابھی دعاؤ قبولِ دعا کی بات نہ کر
ہنوز جوہرِ تکوین خود ہے بحثِ طلب
ابھی مدبّرِ ارض و سما کی بات نہ کر
ہنوز، جستجوئے بت بھی نامکمّل ہے
ابھی، فقیہِ دبستاں، خدا کی بات نہ کر

جُنون و مومن!!

فغاں کہ عشق و جنوں کی چلی وہ صرصرِ تند
کہ بجھ گیا، سرِ محفل، چراغِ عقلِ سلیم
خدیوِ علم سے ہونے لگی بغاوتِ عام
بساطِ جہل پہ جھکنے لگا سرِ تسلیم
شبِ سیہ پہ چڑھائی گئی شعاعِ سحر
ہوائے گرم پہ واری گئی متاعِ نسیم

لُٹی ، خَزَف کے اِشارے سے، دَولتِ گوہَر
کَٹی ، سَراب کے خنجَر سے، گردنِ تسنیم
کہا دَتوں نے کیے قطع ، خون کے رشتے
جماعتوں میں ہوئی نَسلِ آدمی تقسیم

(۲)

یہ نُکتہ جوش دِلوں میں اُتار دُوں کیوں کر
کہ سیلِ عشق نہیں، جُوئے عقل ہے تسنیم
غلط کہ کُود پڑے تھے، خُوشی سے شعلوں میں
بجَبر، آگ میں جھونکے گئے تھے، ابراہیم
مُبلّغانِ غلط بینِ عشق کو، اب تک
خبر نہیں کہ یہ قرآن کا ہے لفظ رجیم

خُدا گواہ کہ اُمُّ الکتاب کی رُو سے
خِرَد ہے ”خیرِ کثیر“ اور خُدا ”علیم و حکیم“
لگے جنُوں کو وہ ٹھوکر کہ دم نکل جائے
قَدم بڑھائے اگر بے عنانِ عقلِ سلیم
جبینِ عقل پہ ہے تاجِ دولتِ دارین
تُمھیں خبر بھی ہے اے صاحبانِ قلبِ دونیم
دو صد سنینِ عبادت بدوش سے بہتر
وہ اِک دقیقہ کہ ہو صرفِ کاوشِ تفہیم
مسافروں کے لیے جو بنے چراغِ خضر
اُس ایک نقشِ قدم پر نثار سو دیہیم
حریمِ ذہن میں، کھولے جو ایک غرفۂ نو
اُس، ایک آن پہ قرباں دو صد قرونِ عظیم

عزیز تر ہے ، جنوں کے ہزار نغموں سے
وہ اِک نگاہ جو پیدا کرے مذاقِ سلیم
وہ ایک پل جو گنے قلبِ دہر کے ضربات
حیاتِ خضر سے بڑھ کر ہے واجبُ التّعظیم
کرے جو ایک خیالِ جدید کی تخلیق
وہ نیم لفظ بھی پروردگارِ ہفت اقلیم
ہزار جلوۂ انجم ، اور ایک پرتوِ مہر
ہزار ضربِ کلیم ، اور ایک حرفِ حکیم

مُردوں کی دھُوم

مَخلُوق کو، دِیوانہ بَنائے ہُوئے مُردے
یاروں کے دَماغوں کو چُرائے ہُوئے مُردے
اَوہام کے طُوفان اُٹھائے ہُوئے مُردے
عَقلوں کو مَزاروں پہ چَڑھائے ہُوئے مُردے

آفاق کو، سَر پَر ہَیں اُٹھائے ہُوئے مُردے

دِیکھو، کہ ہیں کیا دھُوم مچائے ہُوئے مُردے

پہنے ہوئے بوسیدہ روایات کا چوغا
باندھے ہوئے داؤد کی تالوں کا عماما
بغلوں میں دبائے ہوئے اقوال کا سونٹا
کجلائے فسانوں کا لگائے ہوئے سُرما

رقصیدہ ہیں، لوبان جلائے ہوئے مُردے

دیکھو کہ ہیں کیا دھوم مچائے ہوئے مُردے

6

لیلائے تفکّر کو سنورنے نہیں دیں گے
دریائے توہُّم کو اُترنے نہیں دیں گے
تحقیق کی نبضوں کو ابھرنے نہیں دیں گے
تقلید کا شیرازہ بکھرنے نہیں دیں گے

اِس بات کا بیڑا ہیں اُٹھائے ہوئے مُردے

دیکھو کہ ہیں کیا دھوم مچائے ہوئے مُردے

ہر تان پہ، قوّال کا مُنھ، چوم رہے ہیں
نیفوں میں، نم آنکھوں کے گہر ٹوم رہے ہیں
دیدوں میں، ترانوں کے کرُے گھوم رہے ہیں
مستانہ "اہے وا" پہ، کھڑے جھوم رہے ہیں

ڈھولک پہ، ملنگوں کو نچائے ہوئے مُردے

دیکھو، کہ ہیں کیا دھوم مچائے ہوئے مُردے

کہتے ہُوئے یہ بات کہ اَے قومِ سُبک سَر

ہَم لوگ ہیں اَقطاب و مجَاذِیب و قلَندَر

ہَم قاضیٔ حاجات ہیں، ہَم شافِعِ محشَر

لیٹے ہیں، شَبِ قَدر کو، آنکھوں میں گھُما کر

اَللہ کو، بالیں پہ بِٹھائے ہُوئے مُردے

دیکھو، کہ ہیں کیا دھُوم مچائے ہُوئے مُردے

گیتی سے، اُبلتی ہُوئی قبروں کی بلائیں
گردُوں پہ، گرجتی ہُوئی لاشوں کی گھٹائیں
ممکن نہیں مُردوں سے اماں، دَاہنے بائیں
ہرگام پہ، ہر موڑ بھی، جس سَمت بھی جائیں

شانوں سے ہیں، شانوں کو ملائے ہُوئے مُردے

دیکھو، کہ ہیں کیا دُھوم مچائے ہُوئے مُردے

زندوں کا یہاں کوئی طلب گار نہیں ہے
زندوں کا کوئی مونس و غم خوار نہیں ہے
اِک فرد بھی، زندوں کا خریدار نہیں ہے
زندوں سے ہمیں، کوئی سروکار نہیں ہے

ہم تو ہیں، کلیجوں سے لگائے ہوئے مُردے

دیکھو، کہ ہیں کیا دھوم مچائے ہوئے مُردے

قبروں کو اُٹھائے ہُوئے۔ قبّوں کو سنبھالے
بغلوں میں دبائے ہُوئے عرسوں کے قبالے
کھائے ہُوئے، اقوامِ جواں فکر کے بھالے
منطق کے رگیدے ہُوئے۔ مغرب کے نکالے

مشرق کے اندھیرے پہ ہیں چھائے ہُوئے مُردے

دیکھو، کہ ہیں کیا دھوم مچائے ہُوئے مُردے

اَبرِ خیر دا اَفزا کو برسنے نہیں دیتے
پَل بھر بھی، کمر عِلم کو کَسنے نہیں دیتے
شہروں میں کہیں فکر کو بَسنے نہیں دیتے
آگاہیِ وعرفاں کو اُمَنے نہیں دیتے

پَٹڑی ہیں کچھ اِس طرح جمائے ہُوئے مُردے

دیکھو، کہ ہیں کیا دھوم مچائے ہُوئے مُردے

اِس دیس میں ہر ریت ہے مُردوں کے حوالے
مُردوں ہی کے ارشاد سے، اُٹھتے ہیں نوالے
مُردے جو نہ دِیں اِذن تو چوکھٹ ہو، نہ چالے
مُردے، جسے شہ دِیں، وہ قدم گھر سے نکالے

ہر بات میں ہیں ٹانگ اڑائے ہوئے مُردے

دیکھو، کہ ہیں کیا دھوم مچائے ہوئے مُردے

اَنفاس میں رَفتار لیے، بادِ سُبک کی
سینوں میں چھپائے ہُوئے بُو، گورِ خُنک کی
اَوہام کی رانوں پہ لگاتے ہُوئے مُکّی
بَیٹھے ہَیں، اَندھیروں میں لگائے ہوئے ڈُھکّی

کافور میں، داڑھوں کو بَسائے ہُوئے مُردے

دیکھو، کہ ہیں کیا دھوم مچائے ہُوئے مُردے

بھولے سے بھی، اُلٹی نہیں بہتی کبھی گنگا

اِک عمر سے، یارو، یہ ہے دستورِ جہاں کا

جو زندہ ہے، مُردے کا اُٹھاتا ہے وُہ لاشا

اِس دیس کا، لیکن ہے یہ دستور نرالا

زندوں کو ہیں، کاندھوں پہ اُٹھائے ہُوئے مُردے

دیکھو، کہ ہیں کیا دھوم مچائے ہُوئے مُردے

نوحۂ آگاہی

تارِ جاں، رشتۂ سوزاں ہے، یہ معلوم نہ تھا
موت کی لرزشِ مژگاں ہے، یہ معلوم نہ تھا
سرخیِ قشقۂ گُل رنگ و خمِ زُلفِ دراز
شعلۂ کسوتِ انساں ہے، یہ معلوم نہ تھا
جُنبشِ لعلِ لب و شعبدۂ گوشۂ چشم
حملۂ لشکرِ ترکاں ہے، یہ معلوم نہ تھا

زندگی جس سے خروشاں و غزل خواں ہے وہ تار
زخمۂ مرگ سے لرزاں ہے ، یہ معلوم نہ تھا
غنچہ ، اک گریۂ خنداں ہے ، کسے تھا یہ گماں
نغمہ ، اِک خندۂ گریاں ہے، یہ معلوم نہ تھا
رنگِ گل، نوکِ سناں ہے ، یہ خبر تھی کس کو
بوئے گُل ، خنجرِ بُرّاں ہے، یہ معلوم نہ تھا
کوئے افلاس میں ہر دیدۂ فن کارِ عظیم
کاسۂ دستِ گدایاں ہے ، یہ معلوم نہ تھا
اس رہِ صرصر و باراں میں ، ہر ایوانِ بلند
خیمۂ خانہ بدوشاں ہے، یہ معلوم نہ تھا
مستیٔ بادۂ و طنبورۂ و طاؤس ورباب
تشنۂ خونِ رگِ جاں ہے ، یہ معلوم نہ تھا

جس نفس پر ہے رواں کشتیٔ عمرِ انساں
وہ نفس نوح کا طوفاں ہے ، یہ معلوم نہ تھا
شب نمِ صبحِ بہاراں سے ، شعاعِ بے مہر
ہر نفس دشت و گریباں ہے ، یہ معلوم نہ تھا
جگرِ تمکنتِ قطب و دلِ کوہِ گراں
کاہ کی طرح ، پر افشاں ہے ، یہ معلوم نہ تھا
موجۂ سیلِ حوادث پہ حیاتِ گزراں
عشوۂ مرگِ خراماں ہے ، یہ معلوم نہ تھا
گنبدِ نشۂ بالیدۂ و محرابِ سرود
سایۂ ابرِ گریزاں ہے ، یہ معلوم نہ تھا
دورِ باران و بہاراں کی ہوائے سرشار
فتنۂ جیب و گریباں ہے ، یہ معلوم نہ تھا

مُہلتِ مُختصرِ صُحبتِ یارانِ شباب
مُستقِل ماتمِ یاراں ہے ، یہ معلوم نہ تھا

ہاں ، پسِ خندۂ ہم مدرسگانِ طرّار
گریۂ گوشہ نشیناں ہے ، یہ معلوم نہ تھا

ہونکتے ، گونجتے شہروں کا خروشِ پیہم
طبلِ سرکارِ بیاباں ہے ، یہ معلوم نہ تھا

شاخِ نسریں پہ ، چٹکتی ہوئی معصوم کلی
مکرِ ذرّاتِ گلستاں ہے ، یہ معلوم نہ تھا

لمسِ مضرابِ دمادم سے کھنکتا ہر تار
جادۂ شہرِ خموشاں ہے ، یہ معلوم نہ تھا

آبِ خُم خانۂ مستی و شرابِ ہستی
شبنمِ گورِ غریباں ہے ، یہ معلوم نہ تھا

بَرگِ سبز و ورقِ نسترن و تختۂ گل
چادرِ قبرِ بہاراں ہے، یہ معلوم نہ تھا
زہر، گویا تُرکِ چشمِ غزالاں کے حضور
خفتِ سُرمہ فروشاں ہے، یہ معلوم نہ تھا

شَیب و شَباب

(مَعِ نعرۂ جنگِ شَیبؒ)

(۱)

(شَباب)

یہ پیرِ جہاں باختہ اے خیلِ جوانان
کیا، تجھ سے کہے قصّۂ لمحاتِ خروشاں
اللہ ری، گرجتی ہوئی گھنگھور جوانی
رقّاصۂ وقتّالۂ و جوّالۂ و جولاں

7

سرمست و سیہ کار و جنوں پیشہ و طرار

جنبان و خروشان و درخشان و فروزاں

رشکِ چمن، آشوبِ دکن، فتنۂ خرمن

آہوئے ختن، دُرِّ عدن، لعلِ بدخشاں

نو جلوہ و نو عربدہ و نورس و نوکار

نو عشوہ و نوشستہ و نورستہ و ناداں

تسکینِ زلیخا و تپِ سینۂ یعقوب

مہرِ افقِ مصر و مہِ تازۂ کنعاں

دیوانہ و فرزانہ و پروانہ و قندیل

ناظورہ و منظور و جگر خستہ و خنداں

طوفاں، بہ خمِ چہرہ و گرداب، بہ گیسو

افسوں، بہ خمِ گردن و افسانہ، بہ مژگاں

تسنیم ذوالانفاس و خوش آہنگیٔ ذی روح

مے خانۂ جولان و صنم خانۂ رقصاں

خود رفتہ و خود بین و خود افروز و خود آزار

ژولیدہ گماں، زود غضب، دیر پشیماں

سرگوشیٔ حوّا و خود آگاہیٔ آدم

فرماں شکن و باغی و پیغمبرِ عصیاں

گہوارہ[1] سخن، قوس[2] جبیں، زمزمہ[3] رفتار

کج فیصلہ[4] و راشت[5] قد و آسیا[6] پیماں

گیتی کو، مروڑے ہوئے، گردوں کو لپیٹے

غلطیدہ و آوارہ و گردان و گریزاں

---

[1] وہ، جس کی آواز میں مرکی، اور لہجہ ایسا ہو، گویا آواز جھولا جھول رہی ہے [2] وہ جس کا ماتھا دھنک کی طرح رنگین ہو [3] وہ، جس کی رفتار سے تالوں کا ساز زیر و بم پیدا ہو [4] وہ، جس کے فیصلے کج (غلط) ہوں [5] وہ، جس کا قد سرو کے مانند سیدھا ہو [6] وہ، جس کے وعدے چکی کے مانند گھومتے، اور ہر روز آج سے کل پر ٹلتے رہیں۔

اِک جنبشِ خطرناک بہر جُنبشِ ابرو

اِک حملۂ پُرہول، بہر لرزشِ مژگاں

جوّالہ ترنگوں کے تھپیڑوں سے، دمادم

ہر سانس میں، اپنے ہی پہ غلطیدہ و پیچاں

اِک گام پہ آسودہ، تو اِک گام پہ بے تاب

اِک بات میں افسردہ، تو اِک بول میں شاداں

بر ربط میں کبھی آہ، کبھی آہ میں بر ربط

درماں میں کبھی درد، کبھی درد میں درماں

کانوں میں کبھی زمزمۂ مختصرِ وصل

گردن پہ کبھی خنجرِ طولِ شبِ ہجراں

خلوت میں کبھی ارض و سما بستۂ شیون

جلوت میں کبھی ثابت و سیّار غزل خواں

شرمائے تو، اُبھرے ہُوئے سینے پہ دُلائی

گھبرائے تو، پَل بھر میں ہواؤں پہ گریباں

بڑھتی ہوئی اِک لحظہ، ٹھٹکتی ہوئی ایک آن

کچھ سُن کے پریشان، تو کچھ کہہ کے پشیمان

رُوٹھو، تو بہت پاس، مناؤ، تو بہت دُور

منڈلاؤ، تو بشّاش، قریب آؤ، تو نالاں

محرابِ تبسّم میں کبھی مومنِ کامل

گردابِ تصادُم میں کبھی منکرِ یزداں

خوش ہو، تو مُسلمان، جو ناخوش ہو، تو کافر

اور، موج میں آئے، تو نہ کافر، نہ مُسلماں

ہر آن کو، عطرِ ابدیّت میں بساتی

ایک ایک دقیقے میں، لپیٹے ہُوئے صدیاں

ٹوٹے ہوئے مالوں میں شکایاتِ کشاکش
اُلجھے ہوئے بالوں میں حکایاتِ شبستاں
باہوں کے چمن میں کبھی ایفا شدہ وعدے
بستر کی شکن پر کبھی ٹوٹے ہوئے پیماں
القصّہ، خروشاں تھے، رگ و پے میں، بحران
کم بخت جوانی کے گرجتے ہوئے، طوفاں
کس کو یہ بتائیں کہ ہر اک پور میں، ہر وقت
کس طرح مچلتے تھے، بھڑکتے ہوئے ارماں
کس طرح، شگوفوں سے، اُبھرتے تھے شرارے
کس طور پہ، مرہم سے، اُبلتے تھے نمک داں
کس سے یہ کہیں، جوشِ جواں سال کے ہاتھوں
رہتے تھے کن آفات میں شبیر حسن خاں

(۲)

(شَیب)

اَور اَب، کہ مَیَسّر ہے بفَیضانِ مہ و سال
آسُودَگیٔ خاطِرِ صُبحِ شَبِ طوُفاں
بَیٹھا ہوُں، سَرِ مَسنَدِ اَندیشَہ و اِدراک
زانوُ سے دَبائے ہوُئے سَرِ رِشتَۂ دَوراں
پَلکوں پہ اُٹھائے ہوُئے اَفکارِ اَکابِر
سینے سے لَگائے ہوُئے آیاتِ حَکیماں

ادراک میں بھٹکے ہوئے کیف و کمِ آفاق
مژگاں پہ اُسلئے ہوئے پیچ و خمِ گیہاں
کھولے ہوئے ہر پردۂ طنبورۂ الحاد
تولے ہوئے ہر زمزمہ بر ربطِ ایماں

زانو پہ تھی کل عشرتِ ناعاقبت اندیش
پہلو میں ہے اب حیرتِ انگشت بدنداں
یوں، سر کی سفیدی سے، کرن پھوٹ رہی ہے
قندیل ہے گویا شبِ یلدا میں فروزاں

ترا ہے، مرے جہلِ گریزاں کے دھوئیں میں
قندیل بکف، قافلۂ علم فراواں
احساس کے ساحل پہ جو کل ہونک رہا تھا
خاموش ہے جذبات کا وہ بحرِ خروشاں

کل، سیج پہ، حوروں کو سُلانے کی ہوس تھی
اَب، نیند کے ماتوں کو جگانے کا ہے ارماں

کل، تابِ خدوخال پہ تھی چشمِ طرب کار
اَب، آبِ مہ و مہر پہ ہے دیدۂ حیراں

کل، رشتۂ مقیش پہ غلطاں تھیں نگاہیں
اور اَب، دمِ شمشیر پہ جودت ہے خراماں

کل، عشق بہاتا تھا مہ و سال کی دولت
اَب عقل ہے ایک ایک دقیقے کی نگہ باں

اَب، زینتِ آغوش ہے پہنائیِ دارین
کل، زیرِ تصرّف تھا فقط شہرِ نگاراں

کل، فرق پہ، چترِ شبِ مہ گھوم رہا تھا
اَب، ذہن میں، گہوارۂ آفاق ہے گرداں

اَب، مُصحفِ خُوباں کے عوض، بہرِ تامُّل
زانو پہ ہے انجیل، تو ہاتوں پہ ہے قرآں
کَل، ناظرِ نعلین تھا۔ اَب ناقدِ قوسین
کَل، خستۂ آناں تھا، تو اَب بستۂ ایناں
کَل، دورِ طرب پر تھیں، کہانت کی گھٹائیں
اَب، موسمِ بعثت پہ نبُوّت کا ہے داماں
وُہ دِل، جو پئے نقدِ بُتاں گرمِ سفر تھا
اَب، جادۂ تحقیقِ خُدا پر ہے خراماں
کَل، دوش پہ تھیں گیسوئے شب رنگ کی لہریں
اَب، عِلّت و معلُول کی زنجیر ہے جُنباں
اصنام تھے کَل، خیمۂ عشرت میں اداکار
افکار ہیں اَب، مسندِ قرطاس پہ رقصاں

کل، سازِ درم پر، صفِ ترکاں تھی مُغنّی

اَب، نوکِ قلم پر، مہ و اَنجُم ہیں غزل خواں

کل، منزلِ تفتیش میں تھی نسلِ گُل و مُل

اَب، معرضِ تحقیق میں ہے خونِ رگِ جاں

اَسرار ہیں، دُھنکے ہُوئے سینے سے نمُودار

اَنوار ہیں، مسکے ہُوئے بادل سے نمُایاں

تاباں اُفقِ جاں پہ ہے، خورشید کے مانند

ہر آن، اُبھرتی ہُوئی پیشانیٔ دَوراں

ذَرّے کے دِلِ پُختہ کی ٹھوکر پہ ہے صحرا

قطرے کے سنِ رُشد کی مٹھّی میں ہے طوفاں

اَب، دانشِ بالیدہ کے سائے میں ہے طوبیٰ

اَب، جودتِ بالغ کے اِشارے پہ ہے ایماں

سرکارِ درایت میں، روایت کی ہے بیشی

تنقیح کے پلے میں ہے تقویم نیاگاں

ایوانِ عدالت میں، صحایف کو اٹھائے

حاضر ہیں، وکالت کو، فقیہانِ دبستاں

اب، عقل ہے، معمورۂ تحقیق میں گل پوش

اب، عشق ہے، منطق کدۂ جرح میں عریاں

اب "ممکن و واجب" کے مباحث ہیں شرربار

اب "علتِ اولیٰ" کے مسائل ہیں فروزاں

کس نہج سے "منقول" کو "معقول" بنائیں

اقطاب ہیں ششدر، متکلم ہیں پریشاں

پیرانِ درِ کاشی و پاکانِ کلیسا

افکار کی سرکار میں ہیں سر بگریباں

(۳)

دَورِ شباب کو شیَب کی دَعوتِ جنگ

غلطاں ہے بگولوں میں وُہ دامانِ بتاں، دیکھ
ہمّت ہو تو اَب پھاڑ تحمّل کا گرَیباں
دَم ہو تو اِدھر دیکھ، یہ مَیداں ہے، یہ جنگاہ
جاتا ہے کدھر بھاگ کر اَے دَورِ حسیناں
اَب راگ سُنا موسمِ پیری کی سحَر کو
اَے شامِ جمال و شبِ طنبورہ و الحاں

وُہ، دھوم سے رَقصندہ ہُوئی لیلیٔ اسرار
اَب بھاؤ بتا، زُہرہ جبینوں کے مگس راں
وُہ زمزمہ پرداز ہُوئی فکرِ معلّیٰ
اَب بول، اگر مرد ہے اَے بندۂ خوباں
رخشندہ خیالات کے چھلکے وُہ ستارے
جرأت ہو تو اب سامنے آ، میرِ چراغاں
کیوں، خوب لپیٹا تھا مجھے زُلفِ بُتاں میں
اَب، لے یہ مرا دام ہے، اَے عالمِ پیچاں
کل، خوب گھمایا تھا مجھے کوئے بُتاں میں
اَب، گھوم مرے چرخ پر، اَے گردشِ دوراں
کل شب کو، مجھے رقص پہ مجبور کیا تھا
اَب ناچ، مرے صحن میں اَے دُشمنِ ایماں

کَل، کھَینچ کے مارے تھے مِرے دِل پہ کھلونے
اَب روک مِرے وار کو، دَلّالِ نِگاراں
یہ کَعبہٗ اِطلاق ہے۔ خاموش ہو، خاموش
اَے خانقہِ جِسْم کے قَوّالِ فُسُوں خَوْاں
مَیں جوش نہیں ہُوں کہ تِری دَھونس میں آؤں
نادان، مِرا نام ہے شَبّیر حَسَن خاں!

عبوری دور

(۱)

دیرِ خیال، بے صنم۔ زُلفِ رموز، خم بخم
علم، ہنوز، گرمِ رم۔ عقل ہنوز ناتمام
سنگ بجیب، بحر و بر۔ طفلِ جہاں برہنہ سر
دشتِ حیات، بے سپر۔ خنجرِ مرگ بے نیام
ملتِ سنگ۔ تازہ دم، اُمتِ شیشہ بے حشم
کاسہ بدست نسلِ جم، کیسہ بدوش آلِ سام

حیف کہ آج بھی یہی قولِ فقیہِ شہر ہے
خونِ بلاکشاں حلال، آبِ گُہر چکاں حرام

آج بھی قومِ شام ہے عظمتِ صُبح کی حریف
آج بھی ہے یزید کو، آرزوئے سرِ امام

دورِ عتیق بے نگاہ، عصرِ جدید بے کُلاہ
سنگِ رسیدہ کہنہ خُم، نار ندیدہ تازہ جام

سوئے فنا رواں دواں دورِ قدیم کے قصور
سوزنِ وقت میں نہاں دورِ جدید کے خیام

ایک طرف، جنازۂ پیرِ غنیں پہ شور و شین
ایک طرف، ولادتِ طفلِ حسین کا جشنِ عام

ایک طرف دُہائیاں، ایک طرف بدھائیاں
ایک کے سر پہ ضربِ سنگ، ایک کا زیرِ غور نام

8

(۲)

امدادِ نو دولتاں

اہلِ کرم کے بھیس میں ایک طرف تونگری
شانۂ سخت پر لیے "جو د و سخا" کے نرم دام
مے، ہمہ نارِ دہر سوز۔ نَے، ہمہ "نورِ کارساز"
نفس، تمام کشت و خوں، نطق، تمام فیضِ عام
عہد، رہینِ شست و شو، نیّتِ عہد بے وضو
غنچۂ لہجہ مشک بو۔ توسنِ ذہن بد لگام
سر میں سمومِ سروری، رخ پہ رقومِ دل بری
دل میں ہجومِ قاہری، لب پہ نجومِ ابتسام
راہ بری میں رہ زنی، مہر میں تیرا فگنی،
کبر بسر فروتنی، تیغ بکف خمِ سلام

(۳)

اُمّید و بیم

بھاؤ دُنیا بتائے کیا ، صُبح کو گُل کھلائے کیا
دیکھیئے رنگ لائے کیا ، شیشۂ مُفت و شُرب دام

دیکھیئے اب لہو بہے ، یا ہوں زمیں پہ چہچہے
جنگ پسند ہیں خواص امن پرست ہیں عوام

دیکھیئے تا بکے رہے ، گریۂ غم کشانِ دہر
رامش و رنگِ حجلۂ خواجگیٔ ذوالاحترام

دیکھیئے اب کدھر جھکے برقِ منارہ آشیاں
ایک طرف نہ گھر نہ در ، ایک طرف ہیں سقف و بام

دیکھیئے اب کدھر بڑھیں راہ برانِ فکرِ نو
دیکھیئے اب کدھر چلیں راہ روانِ تازہ گام

دیکھیے اب کدھر اُٹھے ذوقِ رسیدہ کی نگاہ
دیکھیے اب کدھر مُڑے ذہنِ رمیدہ کی لگام

جوش ہے کس لیے حزیں، یہ ہے شراب و ساتگیں
اُٹھ، کہ یہ تشنگی نہیں، تشنگی علی الدوام

آغازِ بیداری

زِہے جلالتِ دربارِ حضرتِ انساں
زمیں ہے چتر بدست، آسماں عصا بردار
زِہے پیمبریِ شعلہ ہائے فکرِ جدید
تمام دیوتا ایندھن، دھواں تمام اوتار
صنم کدوں میں کوئی یہ پکار کر کہ دے
کہ ہو رہے ہیں بغاوت پہ برہمن طیار

جو، پائے وقت میں، دورِ کہن نے ڈالی تھی
پگھل رہی ہے وہ زنجیرِ سُبحہ و زُنّار
بہا چکا ہے، زمیں پر، جو خون کے دریا
قریب ختم ہے وہ دورِ کافر و دیں دار
فضا پہ دنگ ہیں، ماضی کی جملہ آوازیں
جدید ذہن کے، جُنبش میں ہیں لبِ گفتار
حریمِ فکر سے رہ رہ کے آ رہی ہے صدا
کہ علم و فضل بہت سہل، آگہی دشوار
اُتر رہا ہے، بسعیٔ درایت و برہاں
براہِ گوش چڑھایا گیا تھا کل جو بخار
وہ حرفِ حق ہے، زبانوں پر اب، جو تھا کل تک
دلوں میں ساقِ نگاراں، زبان پر تلوار

خوشا کہ فاصلہ اب بڑھ رہا ہے، روز بروز
میانِ منبرِ تبلیغِ عقل و تختۂ دار
خوشا کہ زیرِ سیوفِ برہنہ فقہا
کھڑی ہوئی ہے، بصد عزم، جراءتِ انکار
زمیں کو مژدہ کہ اب پختگی پہ مائل ہے
میانِ ذرّہ و خورشید، ذوقِ بوس و کنار
رکاب چوم رہے ہیں نجوم و شمس و قمر
یہ کون، توسنِ جوہر پہ، ہو رہا ہے سوار
قدم قدم پہ اُچھلے جا رہے ہیں سرو سمن
یہ گلستاں میں در آیا ہے کون جانِ بہار
یہ سرخوشی میں، کسمسا رہی ہے انگڑائی
کہ رشکِ قوس ہے محرابِ خانۂ خمّار

ہُوا ہے کون یہ گرمِ خرام ۔ نامِ خدا
اُبل رہی ہے رگِ سرخِ جادہ سے جھنکار
یہ جا رہا ہے کہاں لشکرِ مہ و خورشید
یہ، مُڑ رہا ہے کدھر کاروانِ لیل و نہار
یہ، چاہِ تیرہ سے ۔ کس کی جبیں ہوئی ہے بلند
کہ غرقِ رنگ و تجلّی ہے مصر کا بازار
یہ کس نگارِ دو عالم کی پیشوائی کو
چراغ اُٹھائے کھڑے ہیں ثوابت و سیّار

لافانی حرُوف

(۱)

لکھ رہی ہیں ، لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں اُنگلیاں
موت کی خونیں حکایت ، زندگی کی داستاں
جوت ہیرے کی جگائے، کوئلے کے انگ میں
دامنِ طرزِ بیاں کو، ڈوب دیتی رنگ میں
روشنائی سے، ہزاروں خال و خد کو جھالتی
شعلۂ رُخسار میں، نوکِ قلم کو ڈھالتی

سُرمئی سطروں پہ دَوڑاتی شعاعِ دل نشیں
سنگِ مُوسیٰ کو عطا کرتی جمالِ مرمریں
جوششِ مستی میں، صریرِ کلک پر گاتی ہُوئی
لفظ کو اَنوا سِتی، معنیٰ کو اُجلاتی ہوئی
رُوئے این وآں کو تابِ کہکشاں دیتی ہُوئی
بے صدا آفاق کے مُنھ میں زباں دیتی ہے ہو
زندگی کے یخ کدے میں، آگ بھڑکاتی ہُوئی
دل کی پرتیں کھولتی، حرفوں کو چٹکاتی ہُوئی
جامۂ فکر و نظر کی آستیں چُنتی ہُوئی
کِلکِ جُنباں سے، تخیُّل کی رِدا بُنتی ہُوئی
وَلولوں کو معرضِ تحریر میں لاتی ہُوئی
لیلیٰٔ احساس کی ہرپور چٹخاتی ہُوئی

کانپتی میزان پر، اَرض و سما کو تولتی
عُقدۂ اَسرار، جولاں ناخنوں سے کھولتی
ناچتی، گاتی، تھرکتی، شوخیاں کرتی ہُوئی
سینۂ کاغذ میں، دِل کی دھڑکنیں بھرتی ہُوئی
دِل کے خونِ تازہ کی بُوندوں کو ٹپکاتی ہُوئی
فَرشِ قرطاس و قلم پر، پھول برساتی ہُوئی
آہِ سوزاں کو، نوائے ارغنوں دیتی ہُوئی
نَرم پوروں سے، اَدَب کی کشتیاں کھیتی ہُوئی
مَرمر و آہن کو، شیشوں کی کھنک دیتی ہوئی
آنسوؤں کو، فَصلِ باراں کی دھنک دیتی ہُوئی
دایروں میں بند کرتی، باہزاراں پیچ و خم
سسکیوں کی تھرتھراہٹ، زمزموں کا زیر و بم

لکھ رہی ہیں گیت، فریادیں، فسانے، قہقہے
ہچکیاں، سرگوشیاں، آنسو، دعائیں، چہچہے
ابرِ غم کی چھاؤں میں پازیب جھنکاتی ہوئی
آنسوؤں کو، موتیوں کے ہار پہناتی ہوئی
انگلیوں سے گر رہا ہے، خونِ دل کا آبشار
بج رہا ہے، آنسوؤں کی نرم لڑیوں کا ستار
انگلیوں میں پرفشاں ہیں جلوہ ہائے دل نشیں
کاکل و رخسار و خال و نرگس و لعل و جبیں
بہرِ تفسیرِ شکوہِ شیب و ہیجانِ شباب
لکھ رہی ہیں داستانِ قعرِ دریا تاریخِ حباب
لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں، صبح و شام
موجِ گیتی کے ترانے، اوجِ گردوں کے پیام

نغمہ زن ہیں کلکِ جنباں میں رموزِ کائنات
جبرئیل و انبیا و کرسی و ذات و صفات

(۲)

اُنگلیاں۔ چھلکا چکیں گی جب معانی کے ایاغ
جل اُٹھیں گے۔ دایروں کے طاق میں، لاکھوں چراغ
سُرمئی سطروں کی گلیوں میں بہے گی طُرفہ نہر
جگمگا اُٹھیں گے ساحل پر خرد افروز شہر
شہر کے غرفوں سے جھانکیں گے بُتانِ لالہ فام
عود کی لپٹوں سے مہکیں گے تمنّا کے خیام
شمسۂ قصرِ ہنر پر جھلجھلائیں گے حروف
تاجِ دولت کی دمک پر مسکرائیں گے حروف

یوں ، سجل نقطوں میں ہو گی تابِ دُرہائے عدن
شاعروں کی مُفلسی ، شاہوں پہ ہو گی خندہ زن

(۳)

اور جب ، نم ناک سطروں کو ، سکھا دے گا سُفوف
قصرہائے سنگ بن جائیں گے بلّوریں حُروف
آئیں گے پھر گردشِ دوراں کی زد پر وُہ قصور
اُن پہ جھپٹیں گے سنین ، اُن کو جھنجوڑیں گے شہُور
ہونکتے ارض و سما ، کڑکائیں گے اُن پر کماں
اُن کو روندیں گے ، کروروں دونگڑوں کے کارواں
اُن پہ بولے گا ہتوڑا ، وقتِ پُر اجلال کا
گھن بجے گا اُن پہ ، عالم کوبِ ماہ و سال کا

جاہلوں کی ٹولیاں، اُن کو گرانے آئیں گی
اُن پر، اوچھے ناقدوں کی تیوریاں منڈلائیں گی
اُن کے کجلانے کو گرجے گا فقیہوں کا خضاب
اُن پہ کڑکے گا، چھچھورے بادشاہوں کا عتاب
اُن کو مانڈا جائے گا، تاج و کمر کی دھوپ میں
اُن کو پھٹکیں گے مبلّغ، داڑھیوں کے سوپ میں
اُن کو مسلیں گی، بھیانک ایڑیاں کہسار کی
برچھیاں جھپٹیں گی اُن پر ثاہبت دستار کی
اُن کو، لاکھوں خیرہ سر طوفان ڈھلنے آئیںگے
اُن سے لاتعداد اندھے زلزلے ٹکرائیں گے
اُن کو، روندیں گی، ہزاروں پلٹنیں آفات کی
اُن کو، کھرچیں گی کروروں چھینیاں لمحات کی

اُن پہ برسے گی دمادم آگ، بھونچال، دھول، برف
پھر بھی لَو دیتا رہے گا تا ابد ایک ایک حرف
اُنگلیوں کی رَو میں ترشے ہیں جو اصنامِ جمال
دائماً تاباں رہیں گے مثلِ وجہِ ذوالجلال

(۴)

دار شانِ دہر سے آنکھیں مِلا سکتا ہے کون
کعبۂ فن کار کو، دُنیا میں ڈھا سکتا ہے کون
کانپتا ہے، انکسارِ طبعِ شاعر کے حضور
تاج داروں کا تکبّر، دیوتاؤں کا غرور
داورانِ خلوت و پیغمبرانِ انجمن
اللہ اللہ عظمتِ پائندۂ اربابِ فن

مانگنے آتی ہے اِن سے دَولتِ چشم و زباں
نُطق سے عاری زمیں، آنکھوں سے اَندھا آسماں
روز جُھکتی ہے، پئے دَریوزۂ علم و یقیں،
اِن کے بابِ کُفر پر، ادیانِ عالم کی جبیں
اِس تمنّا میں کہ سیکھیں، بات کرنے کے اُصول
اِن کے دَروازوں کو آکر، کھٹکھٹاتے ہیں رسُول

(۵)

اَور اُٹھ جاتے ہیں جب دُنیا سے یہ شاہانِ راز
دیوتا آتے ہیں، پڑھنے کو جنازے کی نماز
نوعِ اِنسانی کبھی اِن کو بُھلا سکتی نہیں
موت کی آندھی، چراغ اِن کے بُجھا سکتی نہیں

ہم نشیں! تاریخ شاہد ہے کہ اقطابِ سخن
سر پہ سہرا باندھتے ہیں، جب پہنتے ہیں کفن
ناقدانِ خامہ پرور، مفتیانِ ذی حشم
ان کے ایواں میں نظر آتے ہیں مرفوع القلم
کون آئے ذہن کے تاج و علم کے سامنے
کانپتی ہے تیغِ چنگیزی، قلم کے سامنے
نغمۂ پائندۂ گیتا و قرآں کی قسم
جل اُٹھے اک بار، تو بجھتی نہیں شمعِ قلم
تا ابد رہتی ہے قصرِ شاعری کی آب و تاب
چغد نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب
طرۂ طرفِ کلہ پر مسکراتا ہے ادب
لرزشِ مژگاں سے تاروں کو بجھاتا ہے ادب

اَوّل اَوّل ، آندھیوں میں سنسناتا ہے قلم
پھر انھیں اپنے چراغوں پر نچاتا ہے قلم
کشورِ وقتِ جہاں کو، فتح کرتے ہیں حرُوف
قبر میں شاعر اُترتا ہے اُبھرتے ہیں حرُوف

ناز کر اے دل کہ آہ داغنوں کے درمیاں
لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں، لکھ رہی ہیں اُنگلیاں

کب تک

فقہ کی گرمیٔ بازار رہے گی کب تک
دشتِ مجذوب میں تلوار رہے گی کب تک
سازِ تحقیق سے نکلے گی نہ تا کے آواز
تارِ تقلید میں جھنکار رہے گی کب تک
ذہن کے پاؤں کی زنجیر کٹے گی کس روز
سر پہ ، گرتی ہوئی دیوار رہے گی کب تک

مُردہ اَقوال کے، سِیلے ہُوئے تہ خانوں میں
زندگی نقش بَدیوار رَہے گی کَب تک
قَصرِ اَفکار پَہ اَسلاف کے کُھن کی آواز
ذِہنِ اَخلاف کی مِعمار رَہے گی کَب تک
جس کے کَاہک مہ و خورشید ہیں، آخر وُہ نگاہ
سَنگ ریزوں کی خریدار رَہے گی کَب تک
جنسِ کاسِد کو، گھنی چھاؤں میں رَکھنے والو
دھوپ میں دَولتِ بیدار رَہے گی کَب تک
نُور کو، خضر کا منصب نہ ملے گا تا چند
تیرگی، قافلہ سالار رَہے گی کَب تک
آخر اِس مَعرکۂ نَفس کُشی کی رَو میں
قوم کی قوم خور آزار رَہے گی کَب تک

دامِ باطل سے جو انساں کو چھڑا سکتی ہے
پا بزنجیر وہ گفتار رہے گی کب تک

بول اے خسروِ انصاف کہ گلبانگِ شعور
مستحقِ رسن و دار رہے گی کب تک

پیشِ زنّارِ جنوں پیشۂ و شمشیر بکف
سرنگوں جراتِ انکار رہے گی کب تک

اے امیرِ افق و داورِ صبحِ تاباں
یہ گھٹاٹوپ شبِ تار رہے گی کب تک

آخر اس آدمِ سر خفتہ کی پیشانی پر
شکنِ سبحہ و زنّار رہے گی کب تک

اے مرے ولولۂ وحدتِ نوعِ انساں
ملک و ملت پہ یہ تکرار رہے گی کب تک

لے، یہ سر رشتۂ کونین ہے، اے ذوقِ جدل
آخر، آپس میں یہ پیکار رہے گی کب تک

اِکتارا

بھور سُہانی . میرا چندن
سانجھ سلونی ، میرا انجن
میرا مَن ہے ، میری سُمرن
توڑ چکا ہوں سارے بندھن

پُورب . پچھم . اُتّر . دکھّن

بول . اِکتارے ! جھن . جھن . جھن جھن !!

کام ہے ، مَن کی مالا جَپنا

کیَسا جلنا ۔ کیَسا تپنا

چوک ، تَڑپنا ۔ بھول ، کلپنا

یہ بھی اَپنا ۔ وہ بھی اپنا

کس سے جھگڑا ، کس سے اَن بَن

بول ، اِکتارے ! جھَن ، جھَن ، جھَن ، جھَن !!

جادُو، ٹونا، جَنتَر، مَنتَر
ناگ اَور گائے، اُونٹ اَور خَچّر
چلنا ہے اِن سَب سے بَچ کَر
دِین ہے پَگلے سَر کا چکّر

دَھرم ہے پاپی مَن کی اینٹھن

بول، اِکتارے! جھَن، جھَن، جھَن، جھَن!!

پیر ، پروہت ، پونگی ، پاپا
لوٹا ، لُٹیا ، داڑھا ، چُٹیا
مندر ، مسجد ، گوپھا ، گرجا
گھنٹی ، ڈھولک ، تاتا ، تھیّا

یاہو ، یاہو ، پوں پوں ، ٹن ٹن

بول ، اِکتارے ! جھن ، جھن ، جھن ، جھن ! !

پانڈے جی کی پر بھو منتی
روڑے چُنتی، کنڈے بُنتی
مایا ملتی، مایا چھنتی
لمبی مالا، کھٹ کھٹ گنتی

باوَن، ترِپَن، چوّن، پچپن

بول، اِکتارے! جھن، جھن، جھن، جھن!!

مُلاّ ، پانڈے ، پیر ، اَبھمانی
لَٹّھم ، لَٹّھا ، کھینچا ، تانی
مَن ہَیں اَندھے ، بُدّھی کانی
نِہنے ہَیں یہ سب اَگیانی

میرے گیانی مَن کی اُترَن

بول ، اِکتارے ! جھَن جھَن ، جھَن جھَن ! !

لوگ یہ سارے، چکّر کھاتے
راہ گلی میں آتے جاتے
چلتے پھرتے، روتے گاتے
سب سے رشتے، سب سے ناتے

سارے ساتھی، سارے ساجن

بول، اکتارے! جھن، جھن، جھن جھن!!

سَب کی جھولی ، میری جھولی
سَب کی ٹولی ، میری ٹولی
سَب کی ہولی ، میری ہولی
سَب کی بولی ، میری بولی

سَب کا جیئوَن ، میرا جیئوَن

بول ، اِکتارے ! جھَن ، جھَن ، جھَن ، جھَن !!

سارے جَگ کے ڈیرے دِل میں

سَب کے میرے پھیرے دِل میں

دُنیا بھر کے گھیرے دِل میں

سارے دِل ہیں، میرے دِل میں

سَب کی دَھڑکن، میری دَھڑکن

بول، اِکتارے! جھَن جھَن، جھَن جھَن!!

جگمگ جگمگ غم کی محفل
نکھرا نکھرا اُجڑا ساحل
ہلکی پھلکی میری مُشکل
سیدھا سادا میرا قاتل

بھولا بھالا، میرا دُشمن

بول، اِکتارے! جھن جھن جھن جھن!!

میرا کُٹم ہے ، بگڑا ماوا
بَیری بیٹیا ، کپٹی باوا
میرا بھائی ، جلتا لاوا
میرے ہی مَن کا مجھ پر دھاوا

مَیں ہی اگنی ، مَیں ہی اِیندھن

بول ، اِکتارے جھَن جھَن جھَن جھَن ! !

پتّا پتّا ، ماہِ کنعاں
بوٹا بوٹا ، جیتا انساں
مکھڑا مکھڑا ، گیتا ، قرآں
کیسا کُفر اور کیسا ایماں

وہ بھی پھسلن ، یہ بھی پھسلن

بول ، اِکتارے ! جھن جھن ، جھن جھن ! !

ذرّہ ذرّہ ، میرا مندر
قطرہ قطرہ ، میرا گوہر
تارا تارا ، میرا جھومر
دریا دریا ، میری چادر

صحرا صحرا ، میرا دامن

بول ، اکتارے ! جھن ، جھن ، جھن ، جھن ! !

سَب کے کاجَل، مِیرے پارے
سَب کی آنکھیں، مِیرے تارے
سَب کی سانسیں، مِیرے دھارے
سارے اِنساں، مِیرے پِیارے

ساری دَھرتی، مِیرا آنگَن

بول، اِکتارے! جھَن، جھَن، جھَن، جھَن!!

میرے تن میں، گُلشن سب کے
میرے مَن میں، جوبَن سب کے
میرے گھٹ میں، ساجن سب کے
میری صورت، درشن سب کے

سب کی صورت، میرا درشن

بول، اِکتارے! جھَن، جھَن، جھَن، جھَن!!

مَیں ہوں مدھرا، برتن دُنیا

مَیں ہوں ماتھا، چندن دُنیا

مَیں ہوں بادل، ساون دُنیا

مَیں ہوں مُکھڑا، درپن دُنیا

دُنیا مُکھڑا، مَیں ہوں درپن

اُداسی، اِکتارے! جھَن جھَن، جھَن، جھَن!!

آدھی رات کی پُکار

یہ شب ہے، شبِ قہر چکاں، جاگتے رہنا
جینا ہے تو خدامِ جہاں، جاگتے رہنا
جس سے رُخِ تہذیب پہ رقصندہ ہے سُرخی
لُٹنے پہ ہے وہ جنسِ گراں، جاگتے رہنا
تم اونگھ بھی جاؤ گے تو دامانِ تمدّن
پھٹ جائے گا مانندِ کتاں، جاگتے رہنا

مخمور ہے معمورۂ ترتیبِ خیالات
اے حلقۂ صاحب نظراں ، جاگتے رہنا
تھم تھم کے چمکتے ہیں درو بام پہ ناوک
رہ رہ کے کڑکتی ہے کماں، جاگتے رہنا
ذرّات و نجوم و قمر و کاہکشاں سے
اُٹھتا نظر آتا ہے دھواں ، جاگتے رہنا
آمادۂ پیکار ہے فوجِ خزف و سنگ
لرزاں ہے جواہر کی دکاں، جاگتے رہنا
جنباں ہے، سرِ تاج محل ، برقِ جہاں سوز
اے لشکریٔ شاہِ جہاں ، جاگتے رہنا
صوبوں میں کل اک دوڑ تھی ، راہِ سبقت پر
اب مشرق و مغرب ہیں دواں، جاگتے رہنا

اَب، خال وخط و رنگ پہ ہے جنگ آغاز
مردانِ رہِ اَمن و اماں، جاگتے رہنا
پھر خاتمِ وحشت کو ضرورت ہے نگیں کی
اَلماس تراشانِ جہاں، جاگتے رہنا
اِک چاپ ہے، تاریک گزرگاہ میں، ہُشیار
اِک سایہ ہے دیوار پہ، ہاں، جاگتے رہنا
سَن سَن ہے خموشی میں کہ رَن بول رہا ہے
فتنے ہیں دبے پاؤں رواں، جاگتے رہنا
جُنباں ہیں پھر آفات، جہانِ گزراں پر
اَعیانِ جہانِ گزراں، جاگتے رہنا
ہاں، آنکھ نہ جھپکے کہ ہے پتھراؤ کی زد پر
یہ کارگہِ شیشہ گراں، جاگتے رہنا

پھر محتسبِ شہر ہے آمادۂ شب خوں
اقطابِ خراباتِ مغاں، جاگتے رہنا
اے چنگ و رباب و دف و قلقل کے امینو
اٹھنے ہی پہ ہے شورِ اذاں، جاگتے رہنا
ہاں، خم کدۂ جوش میں جا کر یہ پکارو
اے قبلۂ رندانِ جہاں، جاگتے رہنا

آدمی نامہ

(۱)

اے نگاہِ مولوی معنوی
دیکھ سوئے عزّ و جاہِ آدمی
آدمی ہے، بوئے گل، رنگِ حنا
موجِ کوثر، موجِ مے، موجِ غنا
آدمی، قندیلِ محرابِ شعور
آدمی، آئینہ، پتھّر، کوہِ طور

آدمی، آہنگِ بار و نغمہ خواں
آدمی ہے خاک کے مُنھ میں زباں
دہر کو جن قُوّتوں پر ناز ہے
سب ہیں گونگی، آدمی آواز ہے
آدمی کا ناطقہ، وحیِ مُبیں
آدمی کا ذہن، جبریلِ امیں
آدمی ہے "ممکنِ" "واجب" حشم
مشعلِ پروانۂ دیر و حرم
آدمی کی سانس، کعبے کا غلاف
آدمی کے گرد، حق، گرمِ طواف
درمیانِ تحت و فوق و بحر و بر
بس ہے اِک انسان جنسِ معتبر

(۲)

جام و سنداں کا توازن، آدمی
رستم و گھنشام و ارجن ، آدمی
آدمی ، شاہِ نجوم و کہکشاں
آدمی ، فکرِ ہیوم و برگساں
ابنِ رشد و شیخِ اکبر، آدمی
لینن و مقداد و بوذر ، آدمی
مانی و بہزاد و نطشے ، آدمی
حافظ و تلسی و گوئٹے ، آدمی
لچھمن و رام و مہاویر، آدمی
غالب و فردوسی و میر، آدمی

آدمی، کنعاں کا حُسنِ جاں نواز
آدمی، گوکُل کا بانکا نَے نواز
مُزدک و داؤد و گوتَم، آدمی
بوُتُراب و ابنِ مریَم، آدمی
آدمی، قَندیلِ بابِ مَشرِقَین
آدمی، حَلّاج و سُقراط و حُسَین
تکیہ گاہِ کافران و مومنین
آدمی ہے رَحمَتہُ اللعالمین

(۳)

آدمی، فرماں روائے این و آں
آدمی، مَسجُودِ خیلِ قدسیاں

امیرِ وقت و پیرِ دوراں ، آدمی
تشنگیٔ آبِ حیواں ، آدمی
دستِ آدم ، بُت تراش و بُت نما
نُطقِ اِنساں ، موجدِ حرفِ خدا
وہمِ اِنساں ، بانیٔ لات و منات
فہمِ اِنساں ، شارحِ ذات و صفات
ذہنِ اِنساں ، پابجولاں سوئے ذات
درکِ اِنساں ، ہادمِ قصرِ صفات
آدمی ، کہسارِ ظن ، قُطبِ یقیں
آدمی ، پروردگارِ کُفر و دیں
آدمی ، دانائے اسباب و علل
فاتحِ مُستقبل دیوِ اجل

آدمی ، ذرّات دوزد نجم باف

آدمی ، گیتی شکن، گردوں شگاف

آدمی ، نورِ زماں ، شمعِ مکاں

آدمی ، خمیازۂ سلمائے جاں

آدمی ، گلدستۂ گُل چیں و گُل

آدمی ، دولت سرائے جُزو کُل

آدمی ، قاموسِ ذرّات و نجوم

آدمی ، ناموسِ آیات و عُلوم

آدمی ، شوقِ کلیم و شمعِ طور

آدمی ، تورات و انجیل و زبور

آدمی ، شایانِ تسبیح و درود

آدمی ، تفسیرِ آیاتِ وجود

11

آدمی، ظُلمت بپاؤ نَنو بدِل
آدمی، قُرآنِ رحلِ آب و گِل
عُقدہ، کُلِ آفاق ، ناخُنِ آدمی
آب رَدِے نَغمہ "کُن" آدمی
آدمی، آمیزشِ لَیل و نَہار
آدمی، نازِ قوامِ نور و نار
آدمی، شیرازہ رَبط و خلَل
اَہرمن دَرجَیب ویَزداں دَربغَل
پائے دار و لایموت و لایزال
آدمی ہے، مثلِ وَجہِ ذُوالجلال
آدمی مَنظور و ناظرِ کُل جہات
آدمی، لیلیٰ و محمل کائنات

ابتدائے آدمی پیغمبری
انتہائے آدمی ہے داوری
اور شرحِ صدر کر اے آدمی
آدمی کی قدر کر اے آدمی !!

سروں کے جنازے

نا آشنائے سجدۂ نو ہے بشر ہنوز
زانوئے فکر سے ہے بہت دور سر ہنوز
ابھری نہیں ہے جو دستِ گردوں شناس ابھی
بینا نہیں ہے دیدۂ گیتی نگر ہنوز
دیوانگی کے در پہ ہیں سجدوں کی بارشیں
فرزانگی کی راہ میں اڑتے ہیں سر ہنوز

رَو میں ہے ظُلمتِ شبِ تاریک کی سیاہ
سکتے میں ہے جُلوسِ طلوعِ سحر ہنوز

بھٹکا ہُوا ہے قافلۂ علم و آگہی
اُلجھی ہُوئی ہے زُلفِ مذاقِ خضر ہنوز

پھیکی ہُوئی ہے کشتِ خس و خار آج بھی
دَبکی ہُوئی ہے دَولتِ برگ و ثمر ہنوز

عالم ہے اس دیار کا فرزندِ ناخلف
جاہل ہے اس زمین کا لختِ جگر ہنوز

محصول اس قدر ہے کہ اللہ کی پناہ
آساں نہیں تجارتِ علم و خبر ہنوز

ہوتا ہے ضبط، سرحد و ساحل پہ مالِ عقل
ممنوع ہے درآمدِ فکر و نظر ہنوز

نظروں کی جستجو میں ہے جنسِ جمال ابھی
گاہک کی منتظر ہے متاعِ ہنر ہنوز

اس جادۂ درازِ سنین و شہور پر
انسان کا سفر ہے بہت مختصر ہنوز

بے مُزد بھر رہے ہیں جو ذہنوں کی جھولیاں
وہ ناشرانِ شعر ہیں دریوزہ گر ہنوز

قدریں ہیں دائمی کہ اضافی ؟ کسے خبر
اُلجھا ہوا ہے مسئلۂ خیر و شر ہنوز

ذہنوں کی سرزمین پہ ہیں برف باریاں
لب بستہ ہے نبوّتِ برق و شرر ہنوز

مُنھ اپنا دیکھنے کو سمجھتے ہیں کفر لوگ
حیران ہے ذکاوتِ آئینہ گر ہنوز

اَے دیدہ ہائے غولِ بیاباں کی روشنی
تیری تہوں میں دفن ہیں شمس و قمر ہنوز

اِک خسروِ شنیدہ و نادیدہ کے حضور
پھینکے ہوئے ہے دانشِ آدم سپر ہنوز

بخشے گا، بندگی سے جو انسان کو نجات
وُہ حرفِ مایہ دار ہے نا معتبر ہنوز

حیران ہوں کہ خود ہے جو مسجودِ کائنات
سجدوں کے شغل میں ہے وُہ نوعِ بشر ہنوز

زانوئے دِل پہ، دیر سے، خوابیدہ ہیں دماغ
مثلِ جنازہ، دوش پہ جنبیاں ہیں سر ہنوز

دریوزۂ روشنی

(۱)

یہ مانا کہ ہر آن میرا وُجود
صُعُود و ہُبُوط و ہُبُوط و صُعُود
کبھی، بستۂ اوجِ عرشِ بریں
کبھی، خستۂ اسفلُ السّافلیں
کبھی، ذرّہ و خار و سنگ و سراب
کبھی، لالہ و پرنیان و شراب

کبھی کوزہ پُشت و پراگندہ سیر
کبھی قوسِ کہسار و محرابِ دیر
ملول و حزین و غمین و تباہ
باندوہِ فقدانِ اہل نگاہ
مگر اس کے باوصف، دِل شعلہ بار
بہر شعلہ، صد موجِ رنگِ بہار
مرا نقطۂ دل سراجِ منیر
سماوات صیّاد و سیّارہ گیر
صنم گر، گہر ساز، آئینہ تاب
فلک بیں، زمیں سنج، آفاق یاب
مری طرفۂ تخئیل، ہنتِ چمن
ہوائے یمانی، غزالِ ختن

مَلیحُ الکلام و صَبیحُ العذار
شَمیمُ الوَرود و نَسیمُ البحار
دبیرُ الخلاق امیرُ السما
سَمیعُ الفضا و بصیرُ الصَبا
غزل خواں ، بایوانِ تابندگی
مرے دل کے ضربات پر زندگی
مری نبض ہے وہ کھنکتا ستار
کہ جس پر تھرکتے ہیں لیل و نہار
فضا کو نچاتے ہیں میرے علَم
ہوا کو بجاتے ہیں میرے قدم
جھنکتے ہیں میرے نفَس سے علوم
کھنکتے ہیں میری نظر سے نجوم

اَمینِ بَلندی و پستی نگاہ
بَر آیاتِ ذرّات و اَنجُم گواہ
خَدِیو جہاں میرا ذِہنِ مُنیر
مرے فرق پَر تاجِ "خیرِ کثیر"
مرے سامنے کوہ، رَقصاں حَباب
حجابات، چہرے تو چہرے، حجاب
کبھی روشنی، ظُلمتِ بے حساب
کبھی تیرگی، مادرِ آفتاب
نہ اوّل، نہ آخر، نہ دُنیا، نہ دیں
دو عالم ہیں مابینِ ظنّ و یقیں
مری امتحاں گاہ میں جُزو و کُل
بمیزان، خار و بمقیاس، گُل

مِری سعیٔ تحقیق گرژمِ خردش
پیمبر بآغوش و یزداں بدوش
مِری جستجوئے جمیل و جلیل
قلیلُ الرّوایت، کثیرُ الدّلیل
مِرا ذہن، خلّاقِ فوقَ البشر
مِری ذات، یاقوتِ بینِ الحجَر
ابھی تک ہے انساں، بکوئے قیاس
عقیرُ الشّعور و عقیمُ الحواس
نری خام ہے عقلِ جو یا ہنوز
نہ "لا" معتبر ہے، نہ "اِلّا" ہنوز
تصادُم ہے وُہ نفیٔ و اثبات میں
کہ ہلچل ہے ارض و سماوات میں

مگر میں رواں ہوں سوئے قصرِ غیب
بایں ضربِ عمر و بایں کربِ شیب
رواں ہوں، دما دم پئے کشفِ راز
بایں عمرِ کوتاہ و راہِ دراز
نہیں مجھ کو پروا، حرم ہو کہ دیر
رسولوں کے مانند نیت بخیر
بجو بندگیٔ اِلٰہِ عباد
مرا ہر نفس، اک مسلسل جہاد
مرا ہر تشکک، عبادت گزار
مرا ہر تمرد، اطاعت شعار
مری سرکشی، انکسارِ ثقات
مرا لمحۂ فکر، صوم و صلوٰۃ

مرا ہر تحیّر، قیام و قعُود
مرا ہر تجسّس، رکوع و سجُود
مرا قامتِ ذہن ، سرو دلیل
بایماں قصیر و بعرفاں طویل

(۲)

زمانے سے، میں ہوں، بحکمِ قضا
یکے از غلامانِ خلقِ خدا
مری شاعری، شارحِ کیف و کم
کلیسائے قرطاس و دیرِ قلم
دریغا کہ ناپختگانِ ہنر
چڑھاتے ہیں تیوری مرے شعر پر

مرے کوہ سے، کاہ، گُرزِ جدل
بایوانِ بے سقفِ اہلِ غزل
نرت کر رہے ہیں، سرِ انجمن
خوش آواز و بدفکر اہلِ سخن
اِدھر، میں حزین و ملول و تباہ
باندوہِ فقدانِ اہلِ نگاہ
خدا کا مصاحب، نہ بت کا حبیب
حرم میں برہمن، وطن میں غریب
سزاوارِ زنداں، بجرمِ ہنر
سیہ رو، بتقصیرِ فکر و نظر
مرے زندہ افکار پر، صف بصف
روایاتِ بے روح خنجر بکف

سرِ جادۂ کورئ کارواں
مری رہ نمائی، رہینِ فغاں
صفِ ناقصانِ دیارِ سخن
مرے فن کی تکمیل پر خندہ زن
مرے سر پہ، مثلِ عصائے کلیم
نگاہِ مناجاتیانِ قدیم
مری آگ پر، اوس اُٹھائے سناں
مری برق پر، برف کف دردہاں
مری نے کی چنگاریاں، آب آب
بہ بالینِ یخ بستۂ اہلِ خواب
مری شمعِ معنیٰ، سراسر دھواں
بہ محرابِ تنگِ اساطیریاں

مرا ذہنِ بیدار، ذہنِ رسول
مری انجمن، خواب گاہِ عقول
مری فکر، مقہورِ اہلِ سبیل
مرا کعبہ، محصورِ اصحابِ فیل
بخارات دُود و دُخان و غبار
ہوا پر مسلط، سروں پر سوار
فضا، تیرگی پاش. مانندِ زاغ
ارے جلد کوئی جلا دے چراغ
بلا، دَر بلا و، بلا، دَر بلا
رفیقو، رُندھا جا رہا ہے گلا
زمیں تیرگی، تیرگی، تیرگی!!
ارے، روشنی، روشنی، روشنی!!!

12

جہادِ علم

رکاب تھام کے چل، روحِ عالمِ ایجاد
چلا ہے علم، سوئے دشتِ جہل، بہرِ جہاد
دیارِ لات و ہبل میں، پکار کر کہہ دو
کہ ہو رہا ہے بشر، بندگی سے اب آزاد
تمام ذوقِ سرور و ظہور و حور و قصور
فغاں کہ قصرِ عبادت ہے سخت کج بنیاد

وُہ اک نگاہِ تجسس ہے سوئے ذات وصفات
سمجھ رہے ہیں جسے مفتیانِ دیں ، الحاد

لبِ شعور کا ہے صرف اک تبسّمِ طنز
وجودِ ربّ رؤف و جلیل و بَرّ و جواد

مسافرانِ رہِ جستجوئے عمرِ ابد
طلب کریں گے نہ خضر و مسیح سے امداد

زہے نصیب کہ اب ہے رہینِ بادِ سموم
چراغِ تختِ کیانیؔ و شمعِ تاجِ قبادؔ

تجھے خبر بھی ہے ، ایوانِ دولتِ پرویزؔ
کہ اب ہے تیشہ بکف خونِ دامنِ فرہادؔ

فضائے عزم پہ نملطیدہ ہے لوائے حسینؔ
لرز رہا ہے دلِ دار ثانِ ابنِ زیادؔ

اِس آدمی کو، خُدارا، جواں تو ہونے دو
مسیحِ وقت بنے گا یہ طفلکِ جلّاد
ڈھلوں گا اب نہ سنان و تبر کے سانچے میں
دَرِ بشر پہ، قسم کھا رہا ہے یہ فولاد
جب اَوجِ دِل پہ کھُلے گا لوائے حُبِّ عمیم
کسی لُغت میں نہ پائے گا بار حرفِ عناد
وُہ سامنے ہے درِ قصرِ عُقدہ ہائے دقیق
قدم بڑھائے ہُوئے صاحبانِ بستِ و کُشاد
بحُکمِ فکر بنے گی حریمِ امن و اماں
برَبِّ کعبہ یہ عبرت سرائے کون و فساد
خُدا گواہ کہ بے صرفہ ہیں حُقوقِ اِلٰہ
مگر برائے نگہ داریٔ حقوقِ عباد

ہزار شکر کہ ہے زہ نمائے آبِ حیات

مری یہ خاکِ مسیحا مزاج و خضر نہاد

کلاہ گوشۂ ہفت آسماں ہے چشم براہ

اُٹھ اے زمینِ گہر منظر و عقیق سواد

خدا گواہ کہ نوعِ بشر کی جودت ہے

نسیم نسل و گہر طینت و بلور نژاد

غرض ہے علم سے اے جوشؔ، بُت ملے کہ خدا

اُٹھا بھی پردۂ اسرار، ہرچہ بادا، باد

سرمگیں اسرار

(۱)

صبح، اِک شعلۂ عریاں ہے، کوئی کیا جانے
شام بھی، آگ پہ غلطاں ہے، کوئی کیا جانے
جگرِ نشترن و لالہ و گُل میں پیوست
دشنۂ خارِ مغیلاں ہے، کوئی کیا جانے

بانگِ مرغانِ سحر پر وردِ آہنگ نسیم
جرسِ کوچ بہاراں ہے، کوئی کیا جانے

آبِ انگور کہ ہے آتشِ سوزندۂ غم
خونِ جوّالۂ دہقاں ہے، کوئی کیا جانے

دشتِ جمہوریت و عرصۂ آزادی بھی
قفسِ شاخِ گلستاں ہے، کوئی کیا جانے

رامش و رنگ کے ایوان میں ہر بنتِ سُرور
صرف اِک رات کی مہماں ہے، کوئی کیا جانے

بزمِ یارانِ خنک طبع میں شمعِ فن کار
خفتِ بدرِ زمستاں ہے، کوئی کیا جانے

جنّتِ شعر کے ہر پھول کی رنگینی میں
دجلۂ خونِ رگِ جاں ہے، کوئی کیا جانے

رَنگ و آہنگ سے بجتی ہوئی یادوں کی برات
رَہ رَوِ جادۂ نسیاں ہے، کوئی کیا جانے
تیرہ گلیوں میں، لرزتی ہوئی آوازِ گدا
طبلِ رسوائیٔ سلطاں ہے، کوئی کیا جانے
اہلِ درگاہ کا یہ دامنِ صد پارہ نہیں
یہ تو مولیٰ کا گریباں ہے، کوئی کیا جانے

(۲)

لیکن اِس سلسلۂ کرب و محن کے باوصف
دھوپ میں ابرِ بہاراں ہے، کوئی کیا جانے
زندگانی، پئے تسخیرِ حیاتِ ابدی
موت سے دست و گریباں ہے، کوئی کیا جانے

عشق کے خانۂ برباد کی تاریکی میں
شعلۂ روئے نگاراں ہے، کوئی کیا جانے

تخمِ گل کی گرہِ ناز کے سناٹے میں
کس قدر شورِ ہزاراں ہے، کوئی کیا جانے

کس تکلّف سے، ہر آویزۂ گوشِ عشرت
حلقۂ اشک میں جنباں ہے، کوئی کیا جانے

آہ کی موج میں نغمے ہیں، یہ کس کو معلوم
آنچ کے رقص میں بستاں ہے، کوئی کیا جانے

جنگ میں صلح کا پیغام ہے، کس کو یہ خبر
سنگ میں لعلِ بدخشاں ہے، کوئی کیا جانے

زشت کے خال میں ہے گوہرِ یک دانۂ خوب
مصر کی جیب میں کنعاں ہے، کوئی کیا جانے

ہر خرابے میں چمکتے نظر آتے ہیں قصور
ہر اندھیرے میں چراغاں ہے، کوئی کیا جانے

زیرِ محرابِ پُراسرارِ شبستانِ خیال
کون رقصان و غزل خواں ہے، کوئی کیا جانے

طرفِ کہسار کی، نکھری ہوئی، صبحوں کا جلوس
کوچۂ شب میں خراماں ہے. کوئی کیا جانے

زیرِ دامانِ پرافشانِ سکوتِ ظلمات
نغمۂ چشمۂ حیواں ہے، کوئی کیا جانے

خشت میں جودتِ معمارِ حرم ہے پنہاں
خار پر قوسِ پرافشاں ہے، کوئی کیا جانے

آندھیوں میں ہیں چراغوں کی لویں گرمِ سفر
اور لووں میں، چمنستاں ہے، کوئی کیا جانے

(۳)

اتفاق ہے یہ آمیزشِ آہ و آہنگ؟
یا کوئی صاحبِ فرماں ہے؟ کوئی کیا جانے

کارفرمائے دو عالم ہے کوئی زندہ شعور؟
یا توانائیِ بے جاں ہے؟ کوئی کیا جانے

زینتِ گوش ہے کیا حلقۂ لحنِ داؤد؟
یا دفِ غولِ بیاباں ہے؟ کوئی کیا جانے!

دین ہے، حرفِ جگر دارِ حکیمانِ بزرگ؟
یا فقط شورِ فقیہاں ہے؟ کوئی کیا جانے

چشمۂ خیر ہے ماہِ رمضان و شبِ قدر؟
یا فقط وہمِ بزرگاں ہے؟ کوئی کیا جانے

ہے کہیں سدرۂ و اعراف و جحیم و جنّت؟
یا فقط جودتِ انساں ہے؟ کوئی کیا جانے
عملِ حادثہ ہے گیتی و گردوں کا وجود؟
یا کوئی سلسلہ جنباں ہے؟ کوئی کیا جانے
خود سے نغموں کی یہ بارش ہے، یہ رنگوں کی پھوار؟
یا کوئی اوٹ میں پنہاں ہے؟ کوئی کیا جانے

(۴)

علم، آشوبِ عقائد ہے، یہ کہیے کس سے
عقل، غارت گرِ ایماں ہے، کوئی کیا جانے
آج بھی خاکِ جہاں دیدہ کے گہوارے میں
آدمی طفلِ دبستاں ہے، کوئی کیا جانے

شاہدِ علّتِ ایجاد، ازل سے اب تک
فکرِ انساں سے گریزاں ہے، کوئی کیا جانے

کس لیے نرگسِ آفاق کے ہلکوروں میں
وحشتِ چشمِ غزالاں ہے، کوئی کیا جانے

عرشِ اعظم پہ، فرشتوں کا غرورِ تسبیح
علمِ آدم سے پشیماں ہے، کوئی کیا جانے

معصیت، شوخیِ عصمت ہے یہ کس کو سمجھائیں
اہرمن، پرتوِ یزداں ہے، کوئی کیا جانے

خاک پر حضرتِ انساں کی خلافت کا علم
جنبشِ دامنِ عصیاں ہے، کوئی کیا جانے

زانوئے فکر پہ دمکی ہوئی پیشانیِ جوش
رحلِ آفاق پہ قرآں ہے، کوئی کیا جانے

عملِ فکر

جبیں، جب زانوئے اندیشہ پر ڈھلکائی جاتی ہے
مسائل کی سہانی چاندنی چھٹکائی جاتی ہے
ٹپکتا ہے، بوقتِ فکر، جو پیہم رگِ جاں سے
شرابِ آگہی اُس خون سے کھنچوائی جاتی ہے
ہزاروں دور بینیں کے چراغاں جھوم اُٹھتے ہیں
بُجھی شمعوں کی لَو جب اِک ذرا اُکسائی جاتی ہے

کبھی گُل برگ سے، قلعوں کے گنبد ڈھائے جاتے ہیں
کبھی جو سے پہاڑوں کی کمر تُڑوائی جاتی ہے
کبھی، ناقوس بجواتے ہیں کعبے کے فقیہوں سے
کبھی، اہلِ کلیسا سے اذاں دلوائی جاتی ہے
کبھی طوفاں، نفس کے ساز پر نچوائے جاتے ہیں
کبھی آندھی، لوؤں کی تال پر ٹھرکائی جاتی ہے
کمانِ رنگ ہی، الفاظ کی سُمرن نہیں بنتی،
زبانِ سنگ بھی آواز میں ڈھلوائی جاتی ہے
ہر اِک لے میں بھری جاتی ہے صدیوں کی نواکاری
ہر اِک لمحے کو، قرنوں کی ردا اُڑھوائی جاتی ہے
پئے ترتیب گیسوئے جہاں، زُلفِ اُلوہیت
پریشاں زندگی کے دوش پر بکھرائی جاتی ہے

یہاں گُل زار سے ممنوع ہے دریوزہ خوشبو
خود اپنے ہی نفس سے، زندگی مہکائی جاتی ہے
شعورِ جاں گُسل کی سوزنِ چاکِ گریباں سے
عروسِ زندگی کی اوڑھنی سلوائی جاتی ہے
پرانی ملگجی صدری، بدانائی، اُتروا کر
نئی چولی نگارِ ذہن کو پہنائی جاتی ہے
نگاہ و عکس و انفاس و شمیم و رنگ و تابانی
ہر اک شے، اک نئی میزان میں تُلوائی جاتی ہے
دلائل کی مُجرّب چٹکیوں کی پختہ مشقی سے
قبائے کیف و کم کی آستیں چُنوائی جاتی ہے
اُچھلتا ہے لہو کیا کیا دروغِ مصلحت بیں کا
بزرگانِ اُمم کی فصد جب کُھلوائی جاتی ہے

گردوں کے فاصلے تک مختصر معلوم ہوتے ہیں
وہ لامحدود پہنائی بشر میں پائی جاتی ہے
ہر اک کذبِ تمنا کے عوامل درج ہوتے ہیں
ہر اک ضربِ دلِ نوعِ بشر گنوائی جاتی ہے
پرکھنے کے لیئے تاریخ کے دھاروں کی آوازیں
ہزاروں بار ایک اک داستاں دہرائی جاتی ہے
سرورِ پختہ کے دربار میں، طبعِ مفکر سے
دواما شاد رہنے کی قسم کھلوائی جاتی ہے
کھنکتی ہچکیاں، بجتی کراہیں سنسناتی ہیں
بھڑکتی آگ پر جب راگنی پگھلائی جاتی ہے
کہیں اے جوش یہ کس سے کہ حق جوئی کے پردے میں
ہماری جان پر کیا کیا قیامت ڈھائی جاتی ہے

کشمکش

تفسیر پہ قادر ہیں نہ عالم ہی نہ عامی
اللہ ری آیات کی ژولیدہ کلامی
انسان سُنے حرفِ جگردار کی آواز
کانوں پہ نہ منڈلائیں جو اقوالِ عوامی
ذہنوں میں درایت کو اگائیں بھی تو کیوں کر
سُنتے ہیں، روایات کے پٹّے ہیں دوامی

پستی سے، جواں نسل چلے، سوئے بلندی
رستے سے جو ہٹ جائیں بزرگانِ گرامی

یاروں کو فسانوں پہ ہے تاریخ کا دھوکا
ڈرتا ہوں کہیں پختہ نہ ہو جائے یہ خامی

کرسی کے خطیبوں کو یہ معلوم نہیں ہے
اس فرش کے قدموں پہ ہے کیا عرش مقامی

آفاق کی تنظیم پر اک طنزِ جلی ہے
اس اشہبِ ایام کی ژولیدہ خرامی

ہٹ جاؤ سماوات، پلٹ جاؤ فرشتو
انسان کو منظور نہیں طوقِ غلامی

ہر گام پہ ہے فکر کو قرنوں کی ضرورت
اور عمر کی تقدیر میں ہے برق خرامی

ذرّوں پہ ہیں ٹوٹے ہوئے الفاظ کے انبار
نکلے ہیں کچھ اس درجہ ستاروں کے پیامی
اس خاک پہ اے جوش کچھ ایسے بھی ہیں ایوان
آتے ہیں جہاں ارض و سما بہرِ سلامی

زندگی

اُٹھ، کہ حریمِ کیف میں عطر چکاں ہے زندگی
عطر چکان و گُل فشاں، رقص کُناں ہے زندگی
صُبح بہ رُخ، سمن بکف، شام بدوش، نے بلب
زُہرہ جمال، نجم ادا، ماہ نشاں ہے زندگی
جنگ میں تازیانۂ دشتِ جنون و برہمی
امن میں کارخانۂ شیشہ گراں ہے زندگی

رنگِ چنار کی قسم ۔ لعلِ نگار کی قسم
ابرِ بہار کی قسم ۔ مرگِ خزاں ہے زندگی

طاق ۔ ہر ایک داؤں میں، کفش زمانہ پاؤں میں
کوہِ اجل کی چھاؤں میں، دجلۂ جاں ہے زندگی

دخترِ مہ وش زمیں ، لیلیِٰ آسماں نشیں
جس پہ نثار سولقیں، ہاں وہ گماں ہے زندگی

رقصِ شرر ہے رزم میں ، لرزشِ کاہ بزم میں
پھر بھی محلِّ عزم میں کوہِ گراں ہے زندگی

بہرِ بقائے معتبر، بے پس و پیش و بے خطر
سینۂ دیوِ مرگ پر، نوکِ سناں ہے زندگی

نطق کے اشتیاق میں، حرف کے نورِ واق میں
ذوقِ بیاں کے طاق میں، شمعِ زباں ہے زندگی

گردو غبار چار سُو، دُود و بُخار مُو بمُو
پھر بھی، بفیضِ شُست و شُو، نور فشاں ہے زندگی

طرّۂ زُلفِ مہ وشاں، تابِ عذارِ گُل رُخاں
تاج محل ہے یہ جہاں، شاہِ جہاں ہے زندگی

راہ میں گُرگ و مار ہیں، خار ہیں، شعلہ زار ہیں
غار ہیں، کوہسار ہیں، پھر بھی دواں ہے زندگی

عرصۂ گیر و دار میں، حلقۂ برق و نار میں
دوزخِ روزگار میں، باغِ جناں ہے زندگی

موت ہے پُشت پر دواں، پھر بھی بَسعیِ بے کراں
جانبِ عُمرِ جاوداں، گرمِ تکاں ہے زندگی

خستۂ جورِ این و آں، بستۂ مرگِ ناگہاں
پھر بھی شگفتہ و جواں، زمزمہ خواں ہے زندگی

ہر بُنِ مُو میں اِک جہاں، ہر خمِ لب میں داستاں
شارحِ مُصحفِ زماں، ناقدِ جاں ہے زندگی

فرشِ تعیّنات پر، عرشِ صفات و ذات پر
شمسۂ کائنات پر، کاہکشاں ہے زندگی

جامہ بجامہ، بر ببر، خانہ بخانہ، در بدر
خیر بخیر، شر بشر، سرِّ نہاں ہے زندگی

کوچہ بکوچہ، زہ بزہ، مہر بمہر، مہ بمہ
قعر بقعر، شہ بشہ، شعلہ چکاں ہے زندگی

موج بموج، تب بتب، روز بروز، شب بشب
نُطق بنُطق، لب بلب، حرفِ تپاں ہے زندگی

آب بآب، گل بگل، نور بنور، ظِل بظِل
سینہ بسینہ، دل بدل، تاب و تواں ہے زندگی

مَدح بمَدح ، دَم بدَم ، پیچ بپیچ ، خم بخم
دَجلہ بدَجلہ ، یَم بیَم ، تُند عناں ہے زندگی

کوہ بکوہ ، جو بجو ، قریہ بقریہ ، کو بکو
رَنگ برنگ و بو ببو ، موجِ دواں ہے زندگی

جُزو بجُزو ، کُل بکُل ، خار بخار ، گُل بگُل
شیشہ بشیشہ ، مُل بمُل ، بادہ فشاں ہے زندگی

نوش بنوش ، سَم بسَم ، جُرعہ بجُرعہ ، دَم بدَم
جام بجام ، جم بجم ، پیرِ مُغاں ہے زندگی

جوشؔ کا دَم ہے واپسیں ، لا ابھی شراب و ساتگیں
دیر نہ کر کہ ہم نشیں ، آبِ رواں ہے زندگی

مرحمتِ بے جا

ہم پہ یہ مرحمت نہ کی ہوتی
داورا، زندگی نہ دی ہوتی
اور اگر ناگزیر تھی ہستی
تو حقیقی و سرمدی ہوتی
یا یہ ہوتا کہ گود سے تا گور
زندگی سربسر خوشی ہوتی

یہ بھی تجھ کو اگر نہ تھا منظور
تو حیات اک رَبُودگی ہوتی

ہر خوشی کا مآل اگر غم ہے
غم میں اک گونہ چاشنی ہوتی

رزق دینے کا تھا اگر نہ خیال
بھوک سی چیز بھی نہ دی ہوتی

شر سے ہم کو اگر بچانا تھا
شر میں اتنی نہ دل کشی ہوتی

کاش اپنے خمیر میں یارب
خوئے تسلیم و بندگی ہوتی

داورا، جو تری مشیّت ہے
طینتِ آدمی وہی ہوتی

اِک جہاں ، راہِ راشت پر چلتا
کاش طبعاً نہ یہ کجی ہوتی
ذمّہ داری تھی جب گر اپنی خاک
اَپنے ہاتوں ہی کی گُندھی ہوتی
جس قدر بھی اُمور ہیں ممنوع
اُن کی ، ہم کو ، للک نہ دی ہوتی
کام لیتا ۔ اگر ہدایت سے
تو نہ رُسوا پیمبری ہوتی
توٗ جو بے اِمتحاں پرکھ لیتا
تو اِہانت نہ علم کی ہوتی
ہم کو ، آنکھیں اگر عطا کی تھیں
تو کوئی شکلِ دید بھی ہوتی

ہر نظر کو جو پختگی دیتا
تو نہ زحمت نقاب کی ہوتی

ادعائے صفات و ذات کے ساتھ
کوئی محکم دلیل بھی ہوتی

جس عبادت میں کوئی جان نہیں
وہ عبادت نہ فرض کی ہوتی

جس سے ہوتی ہے معرفت پیدا
بات وہ، کھول کر، کہی ہوتی

امر تنزیہ تھا اگر محکم
آڑ، تشبیہ کی نہ لی ہوتی

عبد سے، بے وسیلۂ جبریل
کبھی خود بھی تو بات کی ہوتی

ہَم سے کیا مُدّعا ہے، ہم کیا ہیں
کَم سے کَم یہ تو آگہی ہوتی

تُم رَہو گے حَریف آپس میں
ہَم کو یہ بَد دُعا نہ دی ہوتی

دوستی کا اگر نہ یارا تھا
دُشمنی تو نہ ہم سے کی ہوتی

لاکھ دَجلوں سے جو نہیں بُجھتی
اِس بَلا کی نہ پیاس دی ہوتی

خوف و ہیجان و غُصّہ و غَم سے
اِک بَشَر ہی کو مُخلِصی ہوتی

ایک دِل تو ہَرا بھرا ہوتا
اِک دِیئے میں تو روشنی ہوتی

ایک لب ہی کو چھپے ملتے
ایک منہ پر ہی تازگی ہوتی
ایک سر پر تو سائباں ہوتا
ایک گھر میں تو چاندنی ہوتی
ہفت قلزم اگر پلانا تھے
بوند بھر زندگی نہ دی ہوتی
کاش اے بندہ آفریں تجھ میں
عادتِ بندہ پروری ہوتی
کردگارا، تری خدائی میں
ہم نہ ہوتے تو کیا کمی ہوتی

کیا ہوتا

الٰہی ، اہلِ فن ، آرام پا لیتے تو کیا ہوتا
یہ بندے بھی زرا سا لطف اُٹھا لیتے تو کیا ہوتا

جہاں ، اہلِ جفا تک کو اجازت ہے پَنپنے کی
وہاں ، کچھ اہلِ دل بھی پُنپھا لیتے تو کیا ہوتا

جہاں شاہوں کے اتنے قصر و ایواں ہیں وہاں مولیٰ
گدا بھی اپنے کچھ منڈوے چھوا لیتے تو کیا ہوتا

چھڑکتے ہیں جو اپنا خون، امیروں کے پسینے پر
غریبوں پر بھی دو آنسو بہا لیتے تو کیا ہوتا

زبانِ شاہ سے، اونچے خطابوں کے تمنائی
گدائے رہ نشیں کی بھی دعا لیتے تو کیا ہوتا

جہاں گھنگرو کھنکتے ہیں، بھنور پڑتے ہیں تانوں میں
کبھی ہم بھی وہاں دھونی رما لیتے تو کیا ہوتا

جہاں، شاخیں لچکتی ہیں جہاں بادل تھرکتے ہیں
وہاں کچھ بادہ کش بھی لڑکھڑا لیتے تو کیا ہوتا

ہزاروں، باندھتے رہتے ہیں سہرا، وقت کے سر پر
جو اک لمحے کو ہم دولہا بنا لیتے تو کیا ہوتا

تبسم سے، کھلے چہروں پہ جو اک حلقہ بنتا ہے
یہ لب بھی اس دفِ زر کو بجا لیتے تو کیا ہوتا

وحدتِ انسانی

اَے دوست، دِل میں گرد کُدورت نہ چاہیے
اَچھے تو کیا، بُروں سے بھی نَفرت نہ چاہیے
کہتا ہے کون، پھول سے رَغبت نہ چاہیے
کانٹے سے بھی مگر تُجھے وحشت نہ چاہیے

کانٹے کی رگ میں بھی ہے لہو مرغزار کا
پالا ہُوا ہے وُہ بھی نسیمِ بہار کا

جو موجِ، دشت میں ہے، وُہی لالہ زار میں
جو، رَو، سراب میں ہے، وُہی جوئے بار میں
جو شے ہے برگِ گُل میں، وُہی نوکِ خار میں
تفریق، ناروا ہے، خزاں اور بہار میں

وضع و روِش میں فرق سہی، جان ایک ہے
تیور جُدا جُدا ہیں، مگر آن ایک ہے

ہاں، نار میں لپک ہے وُہی، جو ہے نور میں
ذرّات میں دمک ہے وُہی، جو ہے طور میں
غیبت میں بھی جھلک ہے وُہی، جو ظہور میں
پتّھر میں بھی کھنک ہے وُہی، جو بلور میں

یہ فرقِ اسم و شکل، فریبِ نگاہ ہے
اے دوستو، دُوئی کا تصوّر، گناہ ہے

سُنبُل کی نسل سے ہیں خس و خار و شاخ سار
سوسن کے خاندان سے ہیں خشک برگ و بار
ہر زرد پنکھڑی ہے، اِک اُجڑی ہوئی بہار
عبرت سے دیکھ، باغ کے ذرّات سوگ وار

کل، دے کر اِن کو لوچ نسیم و سحاب کا
خاکِ چمن نے، رُوپ بھرا تھا، گلاب کا

ہوتے ہیں پائے مال، تو کہتے ہیں زرد پھول
کل رحمتِ عمیم کا، ہم پر بھی تھا نزول
خوبانِ بوستاں میں، ہمارا بھی تھا شمول
اے راہ رو، نہ ڈال، ہمارے سروں پہ دھول

ہرچند، انجمن کے نکالے ہوئے ہیں ہم
لیکن، صبا کی گود کے پالے ہوئے ہیں ہم

ہَم تھے کبھی بَنفشہ و نَسرین و یاسمَن
نیلوفَر و ہَزارہ و سوری و نارَون
داؤدی و شَقائِق و صَد بَرگ و نَستَرَن
تُرکانِ زَر جَبین و حَسینانِ سیم تَن

سینوں پہ لوٹتے تھے ، ہَوائے بَہار میں
ہَم ، کَل گُندھے ہُوے تھے حَسینوں کے ہار میں

کہتے ہیں زہ رَووں سے یہ پامال بوستاں
ہَم بھی تھے، ایک روز، گُہَر بار و مہ چکاں
اَپنے گلُوں کی جَیب میں تھی قوسِ کہکشاں
طاؤس ناچتے تھے، گمکتی تھیں بدلیاں

کیا بات پوچھتے ہو، اِس اُجڑے دَیار کی
آئی تھی کَل، اِدھر بھی سَواری بَہار کی

کہتا ہُوں پھر کہ دِل میں کُدُورَت نہ چاہیئے
وُحدَت کے سَر پہ، ضَربَتِ کثرَت نہ چاہیئے
مُطلَق اِکائی میں، عَدَدِیَت نہ چاہیئے
غَیرِیَّت و شَر و عَصَبیَّت نہ چاہیئے

آفاق، اِیک جسم ہے، اور اِیک ذات ہے
اَے دوست، وُہمِ غیر، جِہالت کی بات ہے

جَوہر میں ہے. جو بات، عَرَض میں بھی ہے وُہی
لَو کے گلے میں، یَخ کی ہیں باہیں پڑی ہوئی
اِک موجِ رنگِ خاکِ گُلستاں ہے پنکھڑی
دیکھو اگر تو دھوپ کا اِک رُخ ہے چاندنی

آتش ہے، طَبعِ شاخِ صنوبر لیے ہوئے
اَخگر بھی ہے، مزاجِ گُلِ تر لیے ہوئے

کوثر ہی میں نہیں ہیں سفینے رواں دواں
دریائے سم میں بھی ہیں، بہاروں کی کشتیاں
ساغر ہی میں نہیں ہیں، لطافت کے گلستاں
سنداں کے جسم پر بھی ہے، تشریف پرنیاں

گل ہی نہیں ہے نورِ نظر، ما، وطین کا
خاشاک نے بھی دودھ پیا ہے زمین کا

بے جان و جان دار کی بُنیاد ایک ہے
اَرض و سَما کی عِلّتِ ایجاد ایک ہے
بُت سیکڑوں ہیں، حُسنِ خُداداد ایک ہے
سَب دِل اَلگ اَلگ ہیں، مگر یاد ایک ہے

یک سَاں ہے مال، گو ہیں دُکانیں جُدا جُدا
مَعنی ہیں سَب کے ایک، زبانیں جُدا جُدا

تر دامنی و عصمت و کفر و پیمبری
ابر و شعاع و سایہ و تنویر و تیرگی
خورشید و ماہ و ذرّہ و ناہید و مشتری
بلّور و سنگ و جوہر و حیوان و آدمی

اور یہ جو دشت و کوہ و بیابان و باغ ہیں
سب ایک خاندان کے چشم و چراغ ہیں

بے شک ، جو بخشتا ہے ، دھڑکتے دلوں کو چین
اُس کا وُجود ، بزمِ جہاں کی ہے زیب و زین
لیکن وُہ بد شعار ، جو ہے ننگِ مشرقین
وُہ شخص بھی ہے ، آدم و حوّا کا نُورِ عین

پُرزے کبھی نہ مہر و وفا کا لباس کر
دل ہے تو ، اپنی ماں کے چہیتے کا پاس کر

جو، رَوشنی چکاں ہے، سو ہے وُہ بھی آدمی
جو، تیرگی فشاں ہے، سو ہے وُہ بھی آدمی
جو، یارِ مہرباں ہے، سو ہے وُہ بھی آدمی
اَور، جو، عَدوئے جاں ہے، سو ہے وُہ بھی آدمی

تو، بھاگ، خوٗاہ مَوت سے، یا زندگی سے بھاگ
اَے آدمی، کبھی نہ مگر آدمی سے بھاگ

انسان کے خمیر میں ہے عُنصرِ گُناہ
علّت کے جور و ظُلم سے، معلوُل ہے تباہ
گُم راہ، کوئی شخص نہیں ہے، خُدا گواہ
صیدِ فریبِ جادہ ہیں، گُم کردگانِ راہ

ہر فرد، جبرِ ہائے علل کا غُلام ہے
نفرت، شریعتِ بشری میں حرام ہے

ہر تیرگی ہے، اصل میں، اِک خفتہ روشنی
گُم کردہ راہ خیر ہے، در پردہ، ہر بدی
طُغیانِ ذوقِ دیدِ صمد ہے، صنم گری
بھٹکا ہُوا تصوّرِ وحدت ہے شرک بھی

جوہر وُہی حدُوث میں ہے، جو قِدم میں ہے
لَو، ایک ہی چراغ کی، دیر و حرم میں ہے

15

مَیلانِ فکر و خوئے تشکّک نہیں گُناہ
تحقیق، اُمّ علم، تجسُّس، چراغِ راہ
اقرار کی تلاش میں، انکار ہے تباہ
ایوانِ "لا" کے بعد ہے "اِلّا" کی بارگاہ

ہر اِک ہُبوط کو ہے، تمنّا صُعود کی
کافر کو بھی تلاش ہے ربِّ وُدُود کی

ہر "خوب" "خوب تر" کی طلب میں ہے گام زن
قلبِ خزاں میں، دورِ بہاراں کی ہے لگن
یادِ خُدا ہے، ذوقِ پرستارئ وثن
انکار، ایک سجدۂ معکوسِ اہرمن

ہر خار و خس ہے، خونِ رگِ گُل لیے ہوئے
ہر سنگ و خشت ہے ورقِ گُل لیے ہوئے

میراث و نفس و تربیت و صحت و شعور
ان سب کے اعتدال میں پڑتا ہے جب فتور
ہوتا ہے امرِ خیر سے، انساں کا دل نفور
پاتے ہیں راہ، ذہن میں، جرم و شر و فجور

اسباب کی خطا ہے، کسی کی خطا نہیں
جز عفوِ عام، اور کوئی راستا نہیں

اَے دوست، ذَوقِ مہر ہے، بُنیادِ قلبِ شاد
دِل کا وَرَم، دَماغ کا سَرطان ہے عِناد
فالج نَظَر کا، عَقل کا طاعُون ہے فَساد
اَپنے غَضَب سے جَنگ ہے، سَب سے بَڑا جِہاد

لاکھوں مِیں بے نَظِیر، کَروڑوں مِیں فَرد ہے
جو مُسکرائے طَیش مِیں، بے شَک وُہ مَرد ہے

آہن میں ڈوبتی ہے، نگاہِ کرم شعار
آندھی کو باندھتا ہے، لگاوٹ کا ایک تار
پل میں، سرِ غرور، جھکاتا ہے انکسار
پتھّر میں تیرتی ہے، محبّت کی نرم دھار

دشمن کی سمت، ایک ذرا مسکرا کے دیکھ
اس حربۂ لطیف کو بھی آزما کے دیکھ

جھکتا ہے فتنہ، عفو و ترحّم کے سامنے
گھٹتا ہے طعنہ، حُسنِ تکلّم کے سامنے
تھمتا ہے شورِ جنگ، ترنّم کے سامنے
تلوار کانپتی ہے، تبسّم کے سامنے

بدلے کی رسم، دینِ وفا میں حرام ہے
احسان، اِک شریف ترین انتقام ہے

قاتل بھی ہو رہا ہو اگر، پیاس سے نڈھال
پانی اُسے پلا کہ یہی ہے رہِ کمال
دُشمن کبھی لڑکھڑائے اگر، دوڑ کر، سنبھال
تھوکے بھی مُنہ پہ کوئی، تو ماتھے پہ بل نہ ڈال

دل کی سپر پہ، غیظ کا ہر وار روک لے
تارِ نگاہِ لُطف پہ، تلوار روک لے

ہاں ، قشقۂ جبینِ تمدُّن ہے آشتی
تُجھ کو ، ہر ایک موڑ پہ ، رہنا ہے آدمی
دور اپنی اصل سے کوئی ہوتا نہیں کبھی
یہ ، نُطق و دین و قوم کی باتیں ہیں بعد کی

تو ، سب سے پیش تر ، فقط انساں ہے ، یہ نہ بھول
انساں کے بعد ، گبر و مُسلماں ہے ، یہ نہ بھول

انساں اگر ہے، شیوۂ ترکِ دوئی کو چھوڑ
انساں کشی کی آڑ میں، ہاں، خودکُشی کو چھوڑ
انکارِ اختلاطِ خفی و جلی کو چھوڑ
رسمِ شکستِ مصلحتِ زندگی کو چھوڑ

با این آرزو پہ نہ گرمِ خروش ہو
اے باغیٔ مصالحِ قدرت، خموش ہو

فرشِ زمیں سے، تا بہ ثریا و مہر و ماہ
ہستی ہے، ایک وحدتِ کامل کی بارگاہ
عینیّتِ بشر میں نہیں دخل اشتباہ
غیریّت، ایک وہم کا بُت ہے، خدا گواہ

کونین، ایک مورثِ اعلیٰ کی آل ہے
تقسیمِ خونِ حضرتِ انساں، محال ہے

مُلکوں کے درمیاں ہیں جو یہ بحرِ دکوہ سار
یہ بُعدہائے تفرقہ انداز و فتنہ کار
یہ اختلافِ لہجہ و خال و خد و شعار
یہ رنگ و نسل و دین و زبان و در و دیار

یہ سب کے سب نقوشِ اُخوت کو چاٹ کر
اترا رہے ہیں، رشتۂ اخلاص کاٹ کر

ماں باپ سے بچھڑ کے، بفرمانِ روزگار
بیٹے، زمیں پہ پھیل گئے، بہرِ کاروبار
یوں، فاصلوں کی پُشت پر، آخر، ہوے سوار
پیدا ہُوا، نظامِ اُخوت میں انتشار

وُہ، سُنبلِ حرم۔ یہ گُلِ دیر ہو گئے
القصّہ، یوں چھُٹے کہ بہم غیر ہو گئے

غَیبَت نے پارہ پارہ کیا جَیبِ یاد کو
دُوری کے بَونڈروں نے ہَوا دی عِناد کو
خِطّوں کی سَرحَدوں نے اُبھارا فَساد کو
نہروں کی ناگنوں نے ڈَسا اِتّحاد کو

سُر کَٹ گئے، حَیات گِراں گوش ہو گئی
ماں باپ کی زَباں فَراموش ہو گئی

اُونچے پہاڑ، سامنے آ کے ڈٹ گئے
پھیلے ہُوئے خُلوص کے دَامن سمٹ گئے
حُبِّ وَطَن کے ناگ، دِلوں سے لپٹ گئے
سینے تمام، گرَدِ کدُورت سے اَٹ گئے

جتنے تھے کوہِ مہر و وَفا، کاہ ہو گئے
رشتے ہُوئے دراز تو کوتاہ ہو گئے

اَب ، بھائی ہے کہ بھائی کو پہچانتا نہیں
ہَم . بھائی بھائی ہیں ، یہ کوئی جانتا نہیں
اِک دُوسرے کو ، دوشت بھی گر دانتا نہیں
سَب ، ایک کوکھ سے ہیں ، کوئی مانتا نہیں

اَربابِ آشتی ، ہَمہ تَن ، جنگ ہوگئے
ہَم ، جس قَدر وَسیع ہُوئے ، تنگ ہوگئے

اَے دوست، دُشمنی کا یہ بیوہار تا کُجا
یہ نَسل و دِین و رَنگ پہ تکرار تا کُجا
یہ گُفتگو میں، تیغ کی جھنکار تا کُجا
خُوْد اَپنے ہی گلے پہ یہ تلوار تا کُجا

کب تک نہ باز آئے گا، ناداں، جُنوں سے
کب تک رَنگے گا ہات، خُوْد اَپنے ہی خوں سے

تَفرِیق جو سِکھائے، وُہ تارِیخ پھاڑ دے
جُغرافِیَہ کا مُحبَسِ دِیرِیں اُجاڑ دے
نَقشوں کی، نِیش دار لکیریں لِتاڑ دے
اِیمان اور کُفر کو، دَامَن سے جھاڑ دے

لِلّٰہ، اِفتراق کا دَروازَہ بَند کر
اُٹھ، اور لِوائے وَحدتِ اِنساں بَلَند کر

جو کچھ بھی اِس زمین پہ ہے، خوب ہو کہ زِشت
اَلماس و لعل و گوہر و مرجان و سنگ و خشت
کاشی و دَیر و خانقہ و کعبہ و کنِشت
اَرض و سما و شمس و قمر، کوثر و بہشت

سُن کے تری نسیم، تو یہ کارواں چلا
یہ سب، تری تلاش میں ہیں، تو کہاں چلا

رنگ و مزاج و سیرت و مُلک و زبان و دیں
اِن سب سے، اَصلِ نوعِ بَشَر کو، غَرض نہیں
ہاں، مَحو کرنہ ذِہن سے، یہ نُکتۂ مُبیں
یہ "میں" کا لفظ ہے جو ترے لب پہ ہم نشیں

تیرا نہیں ہے صرف یہ دَم خَم لیے ہُوئے
یہ "میں" تو دوش پر ہے دو عالَم لیے ہوئے

مَنزل تری ہے، وادیٔ گنگ و جمن سے دُور
پنجاب و کاشمیر و بہار و دکن سے دُور
پاپاؤ پیر و مولویٔ و برہمن سے دُور
دین و رسوم و نسل و زبان و وطن سے دُور

تیرا وجود، فخرِ نظامِ حیات ہے
تو محض ایک ذات نہیں، کائنات ہے!!

مُوجد و مُفکّر

(۱)

موجد

مُسکرا کر جب ہُوئی طالِع تمدّن کی سحر
جنگلوں سے، شہر کی جانب، مُڑی فکرِ بشر

رسمسائی آرزوئے بام، چونکا ذوقِ در
کشتِ خاکِ تار سے، اُگنے لگے شمس و قمر

خوشۂ حُسنِ زمیں، یوں، ناز سے، پکنے لگا
داب کر دانتوں میں اُنگلی، آسماں تکنے لگا

ہر اشارے کو، صدا بن کر، بکھرنا آ گیا
پھر صدا کو، لفظ میں ڈھل کر، سنورنا آ گیا
لفظ کو، آہنگِ نو پا کر، اُبھرنا آ گیا
خاکِ صامت کو، بالآخر، بات کرنا آ گیا

لب ہلے تو، کشتیاں چلنے لگیں اعجاز کی
فکرِ انساں کو، سواری مل گئی آواز کی

شاہ راہِ عام ترشی، مانگ نکلی شہر کی
روشنی کی موج نے، اُس مانگ میں افشاں چُنی
تابِ افشاں، جدولِ تقسیم میں ڈھل کر بہی
مشعلیں یوں جگمگائیں نبض سب چلنے لگی

سازِ شب سے، نغمہ ہائے صبح دم پیدا ہُوئے
بستیاں مڑنے لگیں، گلیوں میں خم پیدا ہُوئے

آرزوئے خانہ آرائی کی شمعیں جل اُٹھیں
کُنمُنا کر، صنعتِ نو خیز نے، آنکھیں ملیں
طفلکِ تعمیر نے، بیونتی قبائے ماؤطیں
سر پہ رکھ کر، گنبدوں کے قُمقُمے، ناچی زمیں

سنگ ریزے، ناز سے ہُمکے، منارے بن گئے
کروٹیں، ذرّوں نے کچھ یوں لیں کہ تارے بن گئے

مُنتشَر افراد کو، مل جُل کے، رہنا آ گیا
آدمی کو، این و آں کی آنچ، سہنا آ گیا
حجلۂ احساس میں، پھولوں کا گہنا آ گیا
وقت کے دھارے کو، بالترتیب بہنا آ گیا

ناز سے، زُلفِ لطافت کی گرہ کھُلنے لگی
پھول کے کانٹے پر، رُوحِ گُلستاں تُلنے لگی

سر جُھکایا جہل نے پھر، عِلم کے دربار میں
دائرے بننے لگے، جُنبش ہُوئی پرکار میں
آگئی رُوحِ نبُوّت، معرضِ گفتار میں
سبزۂ آیات لہکا، گلشنِ انوار میں

جب
اَور جب اُس سبزے میں ، دریا کی روانی آگئی
نَوعِ اِنساں کی مسیں بھیگیں، جوانی آگئی

پھر بڑھی ، دُنیا کو سر کرنے ، حیاتِ نوجواں
بادہ بار و مشک ریز و مہر بیز و مہ چکاں
پرفشاں ، جنباں ، جہاں ، لرزاں ، رواں ، غلطاں ، دواں
نغمہ خواں ، شاداب ، خراماں ، وقت راں ، جولاں ، تپاں

پتھروں کو پیستی ، شیشوں کو پگھلاتی ہوئی
کارخانوں کے دھوئیں میں ، پیچ و خم کھاتی ہوئی

خُشک وتَر کو جانچتی، اَرض وسَما کو بھانپتی
صُبح کو، مُکھڑا دِکھاتی، شام کو، مُنھ ڈھانپتی
لَہلَہاتی، چَہچَہاتی، لَپلَپاتی، کانپتی
دَوڑتی، بَڑھتی، جھَپٹتی، دَندناتی، ہانپتی

بَربَطِ تکرارِ تخلیقات پر گاتی ہُوئی
مَوت کو نیچا دِکھا کر، ناز فرماتی ہُوئی

نازسے، جُزوِ مکاں بن کر، زماں گانے لگا
چمنیوں میں، کارخانوں کا دُھواں گانے لگا
زمزمے چھیڑے زمیں نے، آسماں گانے لگا
طایٔروں کا ذکر کیا، خود آشیاں گانے لگا

حوصلے، نوعِ بشر کے، ناز فرمانے لگے
ہات باندھے، آب و آتش کے خواص آنے لگے

ساعتوں کو، کوک بھرتے ہی، روانی مل گئی[۱]
ہر دقیقے کو، منظم پرفشانی، مل گئی
گنگ لمحوں کو، گجر کی نغمہ خوانی مل گئی
عمر کے سولے کو، لوہے کی کمانی مل گئی

سوئیوں کی رد میں، لمحوں کو چھکنا آ گیا
وقت کو، محرابِ آہن میں لہکنا آ گیا

---

[۱] گھڑی کی ایجاد

دیدہ و رخسار[1]، اور، گوش وزباں کے درمیاں
فاصلوں کی چھٹ گئیں نبضیں، بایں بُعدِ مکاں
ایک دریائے ہم آغوشی ہُوا گویا رواں
آگیا کھنچ کر، بالآخر، ایک مرکز پر جہاں

اور، یوں آواز، گرمِ قطعِ منزل ہوگئی
عکس کو بھی، قوّتِ پرواز حاصل ہوگئی

---

[1] ٹیلی وژن اور ٹیلی فون

ایک کروٹ[1] لی پھر ایسی عالمِ ایجاد نے
برف لٹکی، سرد کاندھے پر، شرارے لاد نے
ٹوپیاں بدلیں، بصد اخلاص، برق و باد نے
موم کی گردن میں، باہیں ڈال دیں فولاد نے

جنگ جو اضداد میں، عہدِ مدارا ہو گیا
درمیانِ جام و سنداں، بھائی چارا ہو گیا

---

[1] رِف ری جرِیٹر وغیرہ

17

شعلگی[1] کے نقطہ ہائے شور تک، اولے گئے
سطحِ بینائی پہ، تاروں کے گہر رولے گئے
انجم و ذرّات کے بندِ قبا کھولے گئے
سائے تک ناپے گئے، اور عکس تک تولے گئے

عرش تک، فرشِ مبیں کی ہمتِ عالی گئی
شعلۂ و شب نم میں، بل دے کر، گرہ ڈالی گئی

---

[1] اہلِ اردو کا تصرّف

ذوق نکھرا، کہکشانی بام و در بننے لگے
سنگ ریزے آئینے، قطرے گہر بننے لگے
برق پارے، مرغ ہائے نامہ بر بننے لگے [1]
آہنی اعصاب، ڈھل کر، بال و پر بننے لگے [2]

زندگی، اوجِ ثریا کی طرف جانے لگی
قلبِ انجم کے، دھڑکنے کی صدا آنے لگی

---

[1] لاسلکی [2] طیارہ

کہکشاں جھمکی، نظر چھونے لگی افلاک کو
فکر، برمانے لگی، اجرامِ حیرت ناک کو [1]
اور پھر، گیتی کی جانب، موڑ کر ادراک کو
آدمی، گننے لگا، ضرباتِ نبضِ خاک کو [2]

ذہن کی میزان میں، تابانیاں تُلنے لگیں
چادرِ ارض و سما کی سلوٹیں کھُلنے لگیں

---

[1] علمِ نجوم [2] علمِ طبقات الارض

پھر، زمیں کی سمت موڑی، یوں کُدالوں نے عناں
اَرض کے طبقات کو، آنے لگیں انگڑائیاں
غُرفہ ہائے خاک سے، جھانکے بُتانِ پاستاں[1]
ہڈّیوں نے، اَپنے جسموں کی سُنائی داستاں

تنگ غاروں میں، ہوا آنے لگی، پَو پھٹ گئی
خُفتگانِ خاک کے سَر سے، رُلائی ہٹ گئی

---

[1] آثارِ قدیم۔

مُردہ غاروں سے، سلاطینِ کہن پیدا ہوئے
نیم جاں ریشوں سے، ماضی کے چمن پیدا ہوئے
بُت کدوں نے آنکھ کھولی، برہمن پیدا ہوئے
خار و خس کی کوکھ سے، گُل پیرہن پیدا ہوئے

مُردہ پروانوں نے، آہِ سرد بھر کر، بات کی
کُشتہ شمعوں نے، سُنائیں داستانیں، رات کی

گونج اُٹھی، الفاظ سے، گونگے پہاڑوں کی زباں
بول اُٹھیں، سنگِ خارا کی، مُرتّب دھاریاں[1]
نغمۂ تاریخ سے، بجنے لگیں خاموشیاں
رت جگوں کے جشن کا، نکلا چٹانوں سے دُھواں

نصب، ہر ذرّے پر اِک پھولوں کا ڈیرا ہوگیا
شامِ زیرِ ارض میں گویا سویرا ہوگیا

---

[1] چٹانوں کی پرتیں، صدیوں کی تاریخ ہیں

خاک میں جو مل چکے تھے، سامنے آنے لگے
مطربانِ خیمہ ہائے پاستاں گانے لگے
گل رخانِ دورِ پیشیں بال بکھرانے لگے
خستہ ماہ و سال، اک اک پور چٹخانے لگے

چادرِ ذوقِ تجسس میں، رفو کرنے لگے
دورہائے سنگ و آہن گفتگو کرنے لگے

دیدۂ بیدار کے مانند، کانیں کھل گئیں
گردنِ تاریخ کی سب ریسمانیں کھل گئیں
سنگ در کے آبگینوں کی دکانیں کھل گئیں
عصرہائے مہر بر لب کی، زبانیں کھل گئیں

بڑھ گئے کچھ اور پردے، آگہی کے ساز میں
سن بتایا خاک نے اپنا، تھکی آواز میں

سینۂ آہن میں چٹکا، غنچۂ سیف و قلم
کُنمُنائے بسترِ ذرّات پر دیر و حرم
رسمسایا نیستاں میں، زمزموں کا زیر و بم
کروٹیں لینے لگے، پتّھر میں، بے ترشے صنم

زر میں، کنگن کی تمنّا، چٹکیاں لینے لگی
رات کی لٹ، خیطِ ابیض کو صدا دینے لگی

دامنِ فولاد، تشریفِ کتاں بننے لگا
زہر کا افشردہ، آبِ جاوداں بننے لگا
شیشہ یوں پگھلا، حریر و پرنیاں بننے لگا
سنگ یوں ترشا کہ رخسارِ بتاں بننے لگا

پتلیں جھمکیں، نقاب اٹھی، عذارِ حور سے
بنتِ چنگ و رنگ جھانکی غرفۂ انگور سے

ے تار پر مضراب تھرّائی، فضا پر راگنی
ناز کی پھوٹی کرن، انداز کی چٹکی کلی
چھائی عشووں کی گھٹا، چھٹکی ادا کی چاندنی
دل رُباؤں نے مَلیں آنکھیں، دلوں سے لَو اُٹھی

لرزشِ مژگاں، جنُوں کی کشتیاں کھینے لگی
چُبھ گئے نشتر، رگِ ہستی لہو دینے لگی

ے جمالیاتی شعُور کی بیداری

شرم سے، مژگانِ خوباں کو جھپکنا آ گیا
راگنی کی آنچ پر، آہوں کو پکنا آ گیا
نیند اڑی، تو موجِ باراں کو تھپکنا آ گیا
ولولوں پر، رس کی بوندوں کو ٹپکنا آ گیا

خستہ نظروں کی زبانیں، حسن کو چکھنے لگیں
قوسِ مستی پر، تمنائیں قدم رکھنے لگیں

جاگ اُٹھا، گردنوں کے طُرفہ خم میں بانکپن
پھٹ پڑی، شاداب مُکھڑوں پر، قیامت کی پھبن
بن گیا ہر ماہ پیکر، اِک مہکتا پھول بن
موتیے کی طرح چٹکے، نازنینوں کے بدن

بند ٹوٹے، غُرفہ ہائے سیم و زر کھُلنے لگے
انکھڑیاں اُٹھیں، تو بُت خانوں کے در کھُلنے لگے

نرگسِ بیمار کو ، طرزِ تکلّم آ گیا
وُہ تکلّم ، جس سے ، ہونٹوں پر ، تبسّم آگیا
وُہ تبسّم ، جو لیے موجِ ترنّم آگیا
وُہ ترنّم ، جس سے ، دُنیا میں تلاطم آگیا

وُہ تلاطم ، خوُن میں ، جس سے ، رَوانی آگئی
وُہ رَوانی ، باڑھ پر ، جس سے ، جَوانی آگئی

نوعِ انساں میں، بتدریج، آدمیّت آگئی
وضع میں شائستگی، دِل میں شرافت آگئی
بات میں دِل جوئی، آنکھوں میں مُروّت آگئی
رُوح فرسا اجنبیّت میں، اُخوّت آگئی

شُعلہ ہائے غم گُساری کو بھڑکنا آگیا
دِل کو، اوروں کی مُصیبت پر، دھڑکنا آگیا

مؤجدوں نے، جَیب میں بھر کر، قوائے کائنات
پَرتوِ ایجاد سے، دَمکا دیا رُوئے حیات
ایک اِک قطرے سے جھپٹے، بَرق کے صدہا نکات
ایک اِک ذرّے سے چھینے، مِہر کے لاکھوں صفات

ایک اِک گوشے سے، پُہنا دَر جہاں پیدا کیئے
کائی کے رِیشوں سے، کِتنے گُلستاں پیدا کیئے

18

واہ، کیا اِحسان ہے، اقطابِ ایجادات کا
اِیک دریا بہ رہا ہے طُرفہ مصنوعات کا
جگمگا اُٹھا ہے، دِن کی طرح، ٹمٹمارات کا
جسمِ آہن میں رواں ہے خونِ اِحساسات کا

یُوں، اُنھوں نے جُزوِ خاک، اَپنا پسینا کردیا
دھات کے آلات کو، دانا و بینا کردیا

ل تشخیص کے آلات

جو، دُھرا ایجاد کرنے میں ہُوا تھا کام یاب
عظمتیں غلطاں ہیں، اُس کے گرد، بے حدّ و حساب
گھومتے پہیے کی ہر گردش بفیضِ اضطراب
جیب میں ڈالے ہُوئے ہے، سو طوافوں کا ثواب

ہاں، دُھرا، اک تمکنت ہے، زلزلوں کے درمیاں
ایک نفسِ مطمئن ہے، ولولوں کے درمیاں

مؤجدانِ ذی حشم ہیں، محسنانِ آدمی
اِن کی بے تابی پہ قائم ہے سکونِ زندگی
اِن کے روئے جستجو پر، جھلکیاں ہیں غیب کی
اِن کے ماتھے ہیں، نہیں اُٹھتے جو سجدوں سے کبھی

اِن میں سے، ہر فردِ، اُویسِ قرنیؔ و حلّاج ہے
سر کا، زانو تک پہنچ جانا، یہاں معراج ہے

اِن کے آگے، موسموں کی سختیاں ہیں شرم سار
کھیلتے رہتے ہیں یہ، وحشی عناصر کا شکار
ہاں، انھیں کے جذبۂ ایثار سے، با صد وقار
ہم ہیں، آب و خاک کے آقا، ہوا کے شہریار

رُعب ہے اپنا مسلّط، کشورِ اضداد پر
کاٹھیاں رکھتی ہوئی ہیں، پشتِ برق و باد پر

ان کے حسبِ آرزو، مظروف بن جاتا ہے ظرف
قطرہ بنتا ہے عجوبہ، ذرّہ بنتا ہے شگرف
آگ بن جاتی ہے پانی، برق بن جاتی ہے برف
ان کے دم سے دوڑتا ہے رشتۂ آہن پہ حرف

بل نکل جاتے ہیں ان سے، چرخِ کج رفتار کے
یہ ثوابت کے گروہ ہیں، دیوتا سیّار کے

؎ ٹیلی گراف

کوئی، اِن میں، خُود نوازی کے لیئے کوشاں نہیں
صِرف، اِک خدمت کی دُھن ہے، دُوسرا ارماں نہیں
مانگ کھائیں کچھ عبادت سے، یہ وہ انساں نہیں
یہ، خُدا، یا آدمی سے، اَجر کے خواہاں نہیں

خوف، دوزخ کا، نہ جنّت کا اِنھیں ارمان ہے
خدمت۔ اِن کا دین ہے، ذوقِ وفا، ایمان ہے

مُفَکّر

(۲)

دل کو لیکن سخت اِستعجاب ہے، اے ہم نشیں
اِتنے احسانات پر بھی، یہ مُحِبّانِ مُبیں
بن نہ پائے زیرِ سقفِ آسماں، صدرِ زمیں
اور تو اور، آدمی کے حافظے تک میں نہیں

نام اِن کا، دہر کے مسند نشینوں میں نہیں
یہ سفینوں میں تو ہیں موجود، سینوں میں نہیں

یہ بظاہر ہے، بڑی احساں فراموشی کہ ہم
محو کر دیں ذہن سے، اربابِ خدمت کے کرم
زُلفِ نفسیات کے سُلجھائے لیکن کون خم
یاد رہتے ہیں بشر کو صرف وہ اہلِ ہمم

موڑ کر ذہنِ بشر کو، بوستانوں کی طرف
جو اُڑاتے ہیں زمیں کو، آسمانوں کی طرف

طبعِ انساں کو دے سکتا نہیں جو روشنی
نوعِ انساں کا وہ آقا نہیں بنتا کبھی
آدمی کو، جو غذا دیتا نہیں ادراک کی
اُمّتوں کا مُقتدا بنتا نہیں وہ آدمی

قبلہ گاہ، اُس شخص کو انساں بنا سکتا نہیں
ذہنِ انساں کو جو آگے بڑھا سکتا نہیں

بے شک ، ایجادات و مصنوعات کی تابندگی
خاک پر برسا چکی ہے ، بے نہایت ، روشنی
روشنی بھی وہ کہ جس سے ، وجد میں ہے زندگی
معنوی خدمت کی ، لیکن ، بات ہے کچھ اور ہی

گھر کو جو چمکائے ، وہ شمعِ شبستاں اور ہے
دل کو جو رخشندہ کر دے ، وہ چراغاں اور ہے

یوں، فضائے زیست پر ہے، ذہنِ کامل کا ہلال
مصر کے بازار میں، جس طرح، یوسف کا جمال
عقل، اگر گُل ہو، تو شمعِ کُشتہ ہے، ماضی و حال
لاش ہے انسان، اگر چلتی نہیں نبضِ خیال

دارو و درماں سے، مُردوں کو جلانا اور ہے
زندہ انسانوں کو، قبروں سے اُٹھانا اور ہے

افسر و اورنگ و لعل و گوہر و چتر و قصور
بارگاہ و خیمہ و خرگاہ و طاؤس و بخور
جامۂ مُقیش و فرشِ مرمر و جامِ بلور
ہیچ ہیں یہ سب کے سب، بیکار ہے جب تک شعور

بوستانِ آب و گِل کی آب یاری اور ہے
جس سے نکلے فکر، وہ بادِ بہاری اور ہے

ثابت و سیّار کا، قبضے میں لانا اور ہے
علّت و معلول پر، نظریں جمانا اور ہے
نخلِ تن کو، سرو کا ہم قد بنانا اور ہے
قامتِ فکر و تخیّل کا بڑھانا اور ہے

گیتی و گردوں کی پہنائی پہ چھا جانا ہے اور
اس گھنے جنگل میں، خود اپنے کو پا جانا ہے اور

ل معرفتِ ذات

کاہ کی رگ میں، جو دوڑتا ہے، خونِ کہکشاں
کھولتا ہے، خار کے دل میں، جو بابِ گُلستاں
نشّہ رگوں میں، گو نجتی رہتی ہے، جس کی داستاں
نعرہ بنتا ہے، اُسی کا نام، زیرِ آسماں

تا قیامت، حافظے میں جگمگاتا ہے وُہی
بُرّشِ تیغِ اجل پر مسکراتا ہے وُہی

جو، عمل کے طاق میں رکھتا ہے شمعِ اعتدال
ڈالتا ہے، خنجرِ برّاں پہ جو عکسِ ہلال
بخشتا ہے عارضِ احساس کو جو خدّ و خال
جس کے دم سے، سانس لینا سیکھ جاتا ہے خیال

ناچتی ہے، لیلیٰ آفاق، جس کے ساز پر
مسئلے پکتے ہیں، جس کے شعلۂ آواز پر

نصب کرتا ہے، دلوں میں، جو حقائق کے خیام
بے زباں انسانیت کو، جو سکھاتا ہے کلام
بخشتا ہے، جسمِ حکمت کو جو اعصابی نظام
اِک قوی برہان بن جاتا ہے جس کا صرف نام

جوڑ دیتا ہے جو ٹوٹی ہڈیاں تخئیل کی
جس کی سانس آواز ہوتی ہے پرِ جبریل کی

19

جس سے، تنہائی میں، روحِ این و آں کرتی ہے بات
ٹوٹتے ہیں جس کی ضربِ نُطق سے لات و منات
جس کا ناخُن، کھولتا ہے، عُقدۂ ذات و صفات
جس سے بنتا ہے تصوُّر، ایک جسمِ ذی حیات

جس کے آگے، مدھ بھری آنکھوں میں، لَے تولے ہُوئے
رقص کرتی ہے زمیں، گھونگٹ کے پٹ کھولے ہُوئے

ڈھالتا ہے جو، نئے سانچوں میں، آئینِ جہاں
جو، عَمل کے کالبُد میں، نَفخ کرتا ہے رواں
بَخشتا ہے جو، تمَنّا کے بدن کو اُستخواں
توتلے اَفکار، ہو جاتے ہیں جس سے، نَغمہ خواں

جو عَطا کرتا ہے گُل دَستے، خَس و خاشاک کو
جو سِکھاتا ہے، خرامِ ناز، طِفلِ خاک کو

کھولتی ہے بابِ گردوں، جس کے لفظوں کی ہمک
جس کے حرفِ رُشد کی انگڑائی بنتی ہے دھنک
سیکڑوں، ذی ہوش انسانوں کو، وقتِ مرگ تک
ہر نفس، آتی ہے اپنی سانس سے، جس کی مہک

انشراحِ صدر کی مہندی لگا کر پاؤں میں
بیٹھتی ہے زندگی، جس کی نظر کی چھاؤں میں

جس کے ہونٹوں پر، نچھاور، سُرخیٔ دُرِّ عدن
جس کے لفظوں میں، گُندھے ہوتے ہیں لاکھوں بانکپن
جس کی موجِ گُفتگو میں، سانس لیتے ہیں چمن
جس کے لہجے سے، دلوں میں پھوٹ جاتی ہے کرن

روشنی بھرتا ہے جو اخلاق کے قانون میں
جس کے فقرے دوڑتے ہیں، آدمی کے خون میں

اِعتِدال وضبط کا، قائم جو کرتا ہے وقار
حلقۂ دشتِ خزاں میں جو بناتا ہے بہار
بخشتا ہے، چہرۂ سیرت کو جو نقش و نگار
معنوی آبائے انساں میں وہ ہوتا ہے شمار

بارشیں قرنوں کی، اُس کا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں، اُس کے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

اَنا، اور زندگی و موت

(انا)

ہاں انا، ہے وُہ دبیرِ نفس و دارائے حیات
شور جس کا گرمِ دن، گُل بانگ جس کی سَرد رات
جس پہ مبنی جذبۂ حفظِ حیات و حُبِّ ذات
کیا زمیں، کیا آسماں، جس کی جلو میں کائنات

کج، اسی کے بانکپن سے ہے، کلاہِ زندگی
یہ، رسُولِ ذہنِ انساں ہے، الٰہِ زندگی

یہ اَنا، ہے وُہ قدَم، جو ڈگمگا سکتا نہیں!
جس میں، اِستثناء کے ہاتوں جھول آسکتا نہیں
یہ، کِسی طوُفان کو، خطرے میں لا سکتا نہیں
یہ، چراغِ داوَری ہے، جھلملا سکتا نہیں

یہ، دِلوں کی آب رُو، یہ وَلولوں کی جان ہے
رِحلِ نَفسِ آدمی پر، یہ انا، قُرآن ہے

آدمی ہو، اور اپنی ذات پر، چیں بر جبیں!
زندگی، اور اپنی عینیّت پر، اُلٹے آستیں!!
یہ تو ممکن ہے کہ انساں توڑ دے حبلِ متیں
حشر تک، لیکن، انا سے ہات اُٹھا سکتا نہیں

یہ انا ہی تو، محافظ ہے، بشر کی جان کا
یہ نہ ہو تو، دم نکل جائے، غریب انسان کا

خدمتِ اَحباب و مُلک و دُودمان و اَقربا
جَور و خُلق و رحم و عشق و نفرت و بیم و رجا
شَفقت و قُربانی و اِخلاص و ایثار و سخا
حُبِّ دُنیا، حُبِّ عُقبیٰ، حُبِّ حق، حُبِّ خُدا

جذر و مد، یہ سب کے سب ہیں، جو اِحساسات کے
کِتنے لاتعداد رُخ ہیں، ایک حُبِّ ذات کے!!

ثَبْت ، ہر انسان کے دِل پر ہے ، یہ مُہرِ خیال
میں ہُوں صدرِ علم و بدرِ عقل و سُلطانِ جمال
مُعتبر ہے صرف میرا فعل ، میرا انفعال
مُجھ سے بڑھ جائے ، یہ کِس میں تاب ، یہ کِس کی مجال

ذات میری ، اِفتخارِ مہر و نازِ ماہ ہے
مُجھ سے برتر ہے کوئی ۔ تو کون ؟ خیر ۔ اللہ ہے

قابلِ برداشت، جب رہتا نہیں دردِ حیات
ڈھونڈتی ہے تلملاہٹ، زہر میں، راہِ نجات
اس عمل سے، عقلِ انسانی میں آتی ہے یہ بات
ارتکابِ خودکشی تک ہے، جنونِ حُبِّ ذات

آدمی جیتا ہے، سازو برگِ عشرت کے لئے
اور مرتا بھی ہے تو دفعِ اذیّت کے لئے

شادماں ہوتا ہے تو اپنی خُوشی کے واسطے
نقدِ جاں کھوتا ہے تو اپنی خُوشی کے واسطے
کاٹتا بوتا ہے تو اپنی خُوشی کے واسطے
جاگتا، سوتا ہے تو اپنی خُوشی کے واسطے

کام رکھتا ہے فقط اپنے ہی مرغوبات سے
کس قدر، انسان کو ہے عشق، اپنی ذات سے

سوچتا ہے آدمی، ارض و سما کچھ بھی نہیں
زیرِ محرابِ فلک، میرے سوا کچھ بھی نہیں
مجھ سے کٹ جائیں اگر، تو انبیا، کچھ بھی نہیں
رشتہ، مجھ سے توڑ ڈالے، تو خدا کچھ بھی نہیں

جملہ انساں ہیچ ہیں، محبوبِ آب و گل ہوں میں
سب ہیں اعضا، سینۂ فرشِ زمیں کا دل ہوں میں

مَیں، جمالِ وادیٔ اَیمَن، غزالِ کوہِ قاف
قَلب میرا، قُدسیوں کی بارگاہِ اِعتکاف
اَنفُس و آفاق، میرے گرد، سرگرمِ طَواف
نامۂ اَعمال میرا، عَین کعبے کا غلاف

خاک پر، مجُھ سا، اَدا سنجِ قضا کوئی نہیں
اِس کُرے پر، صرف مَیں ہوں، دُوسرا کوئی نہیں

مَیں ، دلِ عرشِ برِیں ہوں ، دیدۂ فرشِ مُبیں
ہاں ، مری تخئیل کے باہر ، نہ دُنیا ہے ، نہ دیں
مُجھ کو ، اِس آئینہ خانے میں ، بربِّ عالمیں
اَپنے چہرے کے سوا ، کچھ بھی نظر آتا نہیں

مَیں ، حقائِق کی زباں ہوں ، داستاں ہے کائنات
کارواں مَیں ہوں ، غُبارِ کارواں ہے کائنات

یہ عجب دُھن ہے کہ ہر فردِ بشر کے رُوبرُو
صرف اپنا مُدّعا ہے، صرف اپنی آرزُو
صرف اپنا کرّو فر ہے، صرف اپنی آبرُو
صرف اپنا ذِکر، اپنی فِکر، اپنی گُفتگُو

کان دھرتا ہی نہیں کوئی، کسی کی بات پر
کس قدر لہلوٹ ہے اِنسان اپنی ذات پر

20

نیلم و یاقوت و مَرواریدو الماس و نگیں
لالہ و شمشاد و نسرین و چنار و یاسمیں
سُبحہ و زُنّار و خیطِ ابیض و حبلِ متیں
سب ہیں مُہمل، جب گلے میں، سانس کا ڈورا نہیں

صرف میرا اِک کھلونا ہے، جہاں کچُھ بھی نہیں
میں نہیں تو یہ زمیں، یہ آسماں کچُھ بھی نہیں

خَوْاہ کتنی برہمی ہو، خَوْاہ کتنی اَبتَری
خَوْاہ کتنا ہی بھنبوڑیں، گَردِشیں اَفلاک کی
خَوْاہ کتنی ہی بَلاؤں میں گھری ہو زِندَگی
پھر بھی، جینے کی دُعائیں مانگتا ہے آدمی

تھرتھَراتا، تلملاتا، بلبلاتا ہے بَشَر
زِندَگی کو، پھر بھی سینے سے لگاتا ہے بَشَر

(زندگی)

نغمہ بر لب ، جام بر کف ، گُل بداماں زندگی
قوسِ طرفِ کوہ و محرابِ خمستاں زندگی
جوئے رنگ و چشمۂ آب چراغاں زندگی
موجِ رقص و دجلۂ آہنگ والحاں زندگی

موجِ سوزِ دل ہے ، اس کے شعلۂ آواز میں
حرفِ "کُن" کے ، نرم ہلکورے ہیں، اس کے ساز میں

زندگی، ربطِ نہانِ انتشار و انجماد
اتحادِ برف و اخگر، ارتباطِ حبس و باد
انضمامِ خشک و تر، آمیزشِ بست و کشاد
بادہ طبع و بادہ اصل و برق نسل و ابر زاد

سینۂ شمشیر میں، حبِّ گلو ہے زندگی
چاک کے ہاتھوں میں، تسبیحِ رفو ہے زندگی

زندگی، وحشی عناصر کا، مہذب شاہ کار
ربطِ صبح و شام، ضبطِ ریگ زار و جوئے بار
اعتدالِ آب و آتش، امتزاجِ نور و نار
خرمن و برقِ تپاں کا نقطۂ بوس و کنار

ایک تکوینی ضمانت، امتناعِ جنگ کی
ایک تعمیری ہم آغوشی، بلور و سنگ کی

زندگی، اضداد کا پیمانِ لطف و اتفاق
اک ہم آہنگی، میانِ جذبۂ وصل و فراق
ایک اٹل میثاق، مابینِ جمود و انشقاق
خیر و شر کا صلح نامہ، شمع و صرصر کا وفاق

شبنم و خورشید کا عہدِ وفا ہے زندگی
دیکھیے تو بُت، پرکھیے تو خدا ہے زندگی

قعر سے، تا سطحِ قلزم، پر فشاں ہے زندگی
دیر میں ناقوس، کعبے میں اذاں ہے زندگی
پھول پر شبنم، فضا پر کہکشاں ہے زندگی
داستاں، در داستاں، در داستاں ہے زندگی

عرش سے، تا فرش، زُلفِ ناز بکھرائے ہُوئے
فتحِ سیّار و ثوابت کی قسم کھائے ہُوئے

سحر خو، عیسیٰ نفس، معجز ادا، جادو کلام
بادہ رنگ و مہ وش و بستاں لب و کوثر خرام
شیشہ بزم و سنگ عزم و لالہ سقف و ماہ بام
تند حرف و گل مزاج و سرو طبع و مے قوام

زندگی، سعیٔ بلیغ ارتقا، کا ناز ہے
آب و آتش کی کرامت، خاک کا اعجاز ہے

دِن، ترنگیں بخشتا ہے، رات، خوٓاب شکّریں
صُبح، چھٹکاتی ہے کرنیں، شام، زُلفِ عنبریں
نبض چٹکاتی ہے، دِل میں غُنچہ ہائے یاسمیں
سانس، چُنتی ہے، قبائے آرزو کی آستیں

اِیک نعمت ہے، چہکتی، چہچہاتی زندگی
پھولتی، پھلتی، پھبکتی، لہلہاتی زندگی

زندگی جام و صراحی، مرغ زار و نسترن
اک سجاوٹ، اک کھلاوٹ، اک لگاوٹ، اک پھبن
رقصِ طاؤس و جمالِ صبح و رنگِ نار ون
گل نفس، گل چہرہ، گل خو، گل جبیں، گل پیرہن

رقصِ ابر و نغمۂ آبِ رواں ہے زندگی
خاکِ بے آواز کے منہ میں، زباں ہے زندگی

گُنگ اِشاروں کو، صَدا کی گود میں، پالے ہُوے
نُطق سے، حَبسِ تَکَلُّم کی بَلا، ٹالے ہُوے
مُضطَرِب اَنفاس کو، اَلفاظ میں ڈھالے ہُوے
رِشتۂ بادِ پَرافشاں میں، گِرہ ڈالے ہوے

لَعلِ جَوہَرآفرینِ دِلِک گوَ ہَر بار ہے
زِندَگی، طَنبُورَۂ اَفکار کی جھنکار ہے

ہر نفس ، موتی پروتی ، پھول برساتی ہوئی
خیمۂ زربفت میں ، پازیب جھنکاتی ہوئی
مرکیاں لیتی ٹھمکتی ، ناچتی ، گاتی ہوئی
دوڑتی ، بڑھتی ، ہمکتی ، جھومتی ، چھاتی ہوئی

اِک سنہری تان کی زنجیر ، بل کھائی ہوئی
ایک انگڑائی ، دھنک کے پُل پہ لہرائی ہوئی

سر پہ سہرا، بر میں جوڑا، بات میں قند و نبات
چال میں گنگا کی لہریں، زلف میں برکھا کی رات
سانس میں بوئے سمن، لہجے میں عودِ سومنات
زندگی، رنگوں کے سائے سے گزرتی اک برات

انکھڑیوں میں، رت جگوں کی راگنی گھولے ہوئے
بال بکھرائے ہوئے، بندِ قبا کھولے ہوئے

زِندَگی، یُوسُف زلَیخا، قیَس لیلیٰ، نَل دَمَن
عید کی مَے، چَودھویں کی رات، چَوتھی کی دُلھَن
اِک کھنکتی لَب کُشائی، اِیک چُبھتا بانکپن
رَنگ ساگَر، راگ مَندر، رُوپ مالا، پھُول بَن

جِس کی، قَرنوں، حَجلۂ قُدرَت میں رَکھوالی ہُوئی
تِتلیوں کی رَسمَساتی چھاؤں کی، پالی ہُوئی

زندگی ، باگیشری ، سارنگ ، دیپک ، سوہنی
بُت تراشی ، رقص ، مُوسیقی ، خطابت ، شاعری
پنکھڑی ، تیتلی ، صنوبر ، دُوب ، نسرین ، چاندنی
لاجوردی ، شربتی ، دھانی ، گلابی ، چمپئی

زعفرانی ، آسمانی ، ارغوانی زندگی
لاجونتی ، مدھ بھری ، کومل ، سہانی زندگی

زندگی، مُڑتے ہوئے پتّوں پہ، بوندوں کی کھنک
صبحِ سرما کی کرن، شامِ بہاراں کی دھنک
بول۔ تتلی کی اُڑان، آواز۔ کوندے کی لپک
کوکتی برکھا میں، سارنگی کے تاروں کی لچک

شہرِ تن میں، پھول والوں کی گلی ہے زندگی
گردنِ آفاق میں، چمپا کلی ہے زندگی

زندگی ، فرماں روائے کشورِ دُنیا و دیں
مُوجدِ حرفِ خُدا و رحمتہ اللعالمیں
نوعِ انساں کے لئے ، اَے محرمانِ ذوریں
موت سے بڑھ کر، کوئی شَے، قابلِ نفرت نہیں

زندگی تکریم ہے ، توقیر ہے ، تمکین ہے
موت - شاہِ ارض کی ، سب سے بڑی، توہین ہے

موت

نامِ زِشتِ موت سے، اُٹھتا ہے، سینوں سے دُھواں
فرقِ ہستی پر، کڑک اُٹھتی ہے، دہشت کی کماں
دِل پہ رکھ دیتا ہے خوفِ مرگ، وہ بارِ گراں
بولنے لگتی ہیں، سہمی زندگی کی ہڈیاں

کوئی نرم آواز، کوئی داستاں بھاتی نہیں
موت یاد آجائے تو، راتوں کو نیند آتی نہیں

مَوت، اَندھیاری، گھٹا ٹوپ، آبنوسی، تیرہ فام
بے رُکوع و بے سُجود و بے قُعود و بے قیام
مُضمحل، سُن، مُنجمد، یخ بستہ، شَل، اَفسردہ، خام
بے حرارت، بے حکایت، بے بصارت، بے خرام!

اُس کے پتھریلے کلیجے میں کسک ہوتی نہیں
اُس کے دیدوں میں مُرَوّت کی چمک ہوتی نہیں

مَوت، صَحرا، دَشت، رِیگستان، بَن، بیہڑ، سَراب
بے خُودی، وَحشَت، شَقاوَت، قاہِری، دَہشَت، عَذاب
خَوف، اَز خُود رَفتگی، بیگانگی، غَیبَت، حِجاب
اِیک حَسرَت خیز غَفلَت، اِیک عبرَت ناک خَواب

اِیک ڈائِن، زِندگی کی سَمت مُنھ کھولے ہُوے
آستیں اُلٹے ہوئے، تیغِ دودَم تولے ہُوے

ہادمِ قصرِ ادا و عشوہ و افسوں گری
ناظمِ تابوت و گور و تختہ و پژمردگی
جاذبِ آواز و احساس و حواس و زیرکی
سالبِ اعمال و افکار و امید و آگہی

حجرہ سربند میں اس کے، ہوا آتی نہیں
اس کی رد میں، دل دھڑکنے کی صدا آتی نہیں

مَوت ، خاموشی ، اُداسی ، بے نوائی ، بے حِسی
مَوت ، سنّاٹا ، اَندھیرا ، بے شعُوری ، برہمی
مَوت ، تاریکی ، تباہی ، تیرگی ، ترسندگی
مَوت ، آہوں کی خطابت ، آنسوؤں کی شاعری

شیر افگن بازوؤں کو بے سکت کرتی ہے موت
ماتمی ہاتوں کی ضربوں پر نزہت کرتی ہے موت

مَوت ، کیڑوں کی غذائے خَستہ، قَبروں کا اِنتشار
اُستخواں سوز و نَفَس گیر د تُوانائی شِکار
جاں فِگار و نُطق دُزد و رُوح کوب و جِسم خوار
اُس کی شامیں، نالۂ جاں کاہ، صُبحیں، سوگ دار

اُس کے دامِ سَخت میں آکر، اَکڑ جاتے ہَیں لوگ
دَفن ، جَلدی سے نہ ہو جائیں تو سَڑ جاتے ہَیں لوگ

کتنی تمکینوں میں بھرتی ہے یہ کرزبِ ارتعاش
سونپتی رہتی ہے یہ، کتنے کلیجوں کو خراش
روز، آئینے کیا کرتی ہے کتنے پاش پاش
کتنے بوڑھوں سے، جواں بیٹوں کی اٹھواتی ہے لاش

کیا بتائیں، روز کتنے پھول مرجھاتی ہے موت
ماؤں سے، کتنے چہیتے، چھین لے جاتی ہے موت

یہ سیہ رُو، آن میں، دِن کو بنا دِیتی ہے رات
اس کے، اِک جھونکے سے، بُجھ جاتی ہے قندیلِ حیات
آہ، اِس کا شامیانہ، سِسکیاں، اِس کی قنات
اس کی، ناہموار کاندھوں پر، نکلتی ہے برات

مُسکرا کر، آنسوؤں کے تار پر گاتی ہے موت
ہچکیوں کی گونج میں، پازیب جھنکاتی ہے موت

سر جُھکا کر، پاؤں، جس حجلے میں، رکھتی ہے دُلھن
جس جگہ، مانجھے کے اُبٹن سے، چٹکتے ہیں بدن
عُود کی لپٹوں میں، کھلتے ہیں جہاں لاکھوں چمن
موت، اُن گوشوں میں بھی لاتی ہے کافور و کفن

روز، کتنی چوڑیوں کو چُرمُرا دیتی ہے موت
کتنی، اُمّیدوں کے خیموں کو جلا دیتی ہے موت

نوعروسوں کے شبستانوں میں در آتی ہے موت
شربتی آنکھوں کو، اندھی گور جھنکواتی ہے موت
گھونگٹوں کے ادھ کھلے مکھڑوں کو جھلساتی ہے موت
چودھویں راتوں کے چاندوں کو، نگل جاتی ہے موت

سیکڑوں کلیوں کو، ایڑی سے مسل دیتی ہے موت
پھول سے پنڈوں کو، لاشوں میں بدل دیتی ہے موت

پتھروں پر، کس قدر شیشے، گرا دیتی ہے موت
کُنجِ شب میں، کتنی صُبحوں کو سُلا دِیتی ہے موت
کتنی کوکھوں، کتنی گودوں کو جلا دِیتی ہے موت
کتنے سہروں، کتنی سیجوں کو دغا دِیتی ہے موت

کتنی چاہوں، کس قدر باہنوں کو مرجھاتی ہے موت
کتنی دُکھتی کروٹوں پر رقص فرماتی ہے موت

اَے عَظیم اِنسان ۔ اَے اِعجازِ رَبطِ ما ؤ طیں
اَے دَماغِ عَرش پیما ۔ اَے نِگاہِ فَرش بیں
بول ، پُشتِ مَرگ پَر رَکھے گا کاٹھی ، یا نَہیں؟
تا بکے ۔ جاتے رَہیں گے آسماں ، زیرِ زَمیں؟

یہ دُھواں چہرے ، یہ اَشک آلود غازے تا کُجا!
روز ، کاندھوں پَر اُٹھائے گا جنازے تا کُجا؟

توسنِ وقتِ رواں، کب تک رہے گا بے لگام؟
لائے گا کب، خیر سے، باغی قویٰ کو زیرِ دام؟
زندگی کے صحن میں، تا چند، پیری کے خیام؟
تا کجا، دورِ جوانی کو نہ بخشے گا دوام؟

دامنِ ہستی سے کب تک، لوگ جھاڑے جائیں گے؟
مقبروں میں، کب تک آخر، چاند گاڑے جائیں گے؟

تا کُجا، اِس مَوت کا چَلتا رَہے گا کاروبار؟
تا بَکے، جاتی رَہیں گی بَستیاں، سُوئے مَزار؟
بول، اَے اِنسان، لَے، گَرداں کرُے کے تاج دار
دُھوم سے، کَب توَسنِ آفاق پَر ہو گا سَوار؟

حُکم رانی کَب کرَے گا، جُملَہ اِمکانات پَر؟
بَند کَب باندھے گا آخر، قُلزُمِ لمحات پَر؟

کب، سمجھ میں آئے گا قانونِ توسیعِ وجود؟
تا کجا، زرّیں کرن، بنتی رہے گی، موجِ دُود؟
تا بکے، بدلے نہ جائیں گے، تواتر سے، غدود؟
کب بڑھائے گا، بقدرِ ہر زیاں، مقدارِ سُود؟

تا بکے، جینے کے منصوبے، نہ برتے جائیں گے؟
تا کجا، چھلکے سبُو، خُود سے نہ بھرتے جائیں گے؟

کَب ، خَموشی کی رَگ وپَے سے، اُبھارے گا کَلام؟
کَب سِتاروں کو سِکھائے گا، گُہَر افشاں خِرام؟
کَب عطا فرمائے گا، اَعصاب کو، مُحکَم نِظام؟
کَب بَنائے گا، حَرِیفِ جاں دَباؤں کو ، غُلام؟

کَب ، فَضا پَر، طَرحِ سَقف و بام، ڈالی جائے گی؟
بَحر سے ، ڈُوبی زَمیں، کِس دِن نِکالی جائے گی؟

کَب تَک آئے گا نہ اَے صَیدِ زَبُونِ اِرتحال
اَپنے اَعضا، پَر، تُجھے ، فَرماں رَوائی کا خَیال؟
اَے جَہاں داوَر ، یہ تیرا چہرۂ خاوَر جمال
کَب بَنے گا، شَمعِ عالَمِ کَبیرِ وَجہِ ذُوْالجَلال؟

کَب مُڑے گی رُوح تیری ، حُکمرانی کی طَرَف
جائے گا کِس دِن ، حَیاتِ جاوِدانی کی طَرَف

اے شناسائے مزاجِ گنبد و طبعِ حباب
اے ثوابت آشنائے ماہ گیر و مہریاب
ان، تری آنکھوں کے آگے، با ہزاراں آب و تاب
خیر سے کب، لیلیٰ آفاق اُلٹے گی نقاب؟

نصب فرما کر، اکائی کا علَم ، اعداد پر
کب قدم رکھّے گا ، عرشِ علّتِ ایجاد پر!

شادیانہ

خوشا کہ آج ہے صید، آسماں، زمیں، صیّاد
قلندرانِ ثوابت نگر، مبارک باد
اِس آرزو میں کہ رقصاں ہوں، فرشِ گیتی پر
مچل رہی ہیں فضا پر، بناتِ گردوں زاد
کھلا ہے غنچۂ ہستی، بنازِ موجِ نسیم
چلی ہے کشتیٔ مستی، بنازِ بادِ مُراد

چٹک رہا ہے کچھ اس طرح غنچۂ رفتار
کہ فاصلوں کا تبختر ہے مائلِ فریاد

رگِ حقائقِ کونین کو خبر کر دو
کہ معرضِ حرکت میں ہے نشترِ فصّاد

سنک رہی ہے نسیم شعورِ نسلِ جواں
بھڑک رہا ہے چراغِ عقائدِ اجداد

ہزار شکر کہ اب ہیں صحائفِ اقوال
"طلسم ہوش رُبا" و "فسانۂ آزاد"

خوشا کہ اب ہے وہاں قدرِ حکمت و منطق
جہاں، مذاقِ تجسّس کا نام تھا الحاد

نثار تجھ پہ دو عالم، نگارِ جورتِ نو
"تنت، بنازِ طبیباں، نیاز مند مباد"

قصوں وغیرہ کی معروف کتابیں

دلِ جلال میں جاگا ہے یوں مذاقِ جمال
کہ راہِ شیشہ گری پر ہے صنعتِ حدّاد
دیارِ حق کے تجسّس میں ہے دلِ باطل
نسیمِ امن کے جادے پہ ہے سمومِ فساد
ہوائے صدق سے، زیر و زبر ہے رایتِ کذب
درِ حسین پہ، خم ہے، جبینِ ابنِ زیاد
ادائے مسکنتِ فقر سے ہے، غرقِ عرق
غرورِ قیصر و نازِ کیان و عجبِ قباد
رواں ہے، سوئے خمستانِ یوسفِ فقہا،
ذوال ہے جانبِ دیبا، صلابتِ فولاد
چھڑے ہوئے ہیں ترانے، وفاق و وحدت کے
میانِ عالمِ ارواح و عالمِ اجساد

دیارِ حسرت و معمورۂ اجل کو سلام
کہ اب نگاہ میں ہے، چشمۂ خضر کا سواد
حیات، اب نہ جھکے گی، بپائے غمزۂ مرگ
چراغ، اب نہ بجھے گا، بموجِ عشوۂ باد
پکار دو کہ چلی ہے، نقاب اٹھائے ہوئے
دیارِ حزن کی جانب، عروسِ خاطرِ شاد
کھلے ہوئے ہیں، فضا پر، قضا کے بندِ قبا
قدم بڑھائے ہوئے صاحبانِ بست و کشاد
نشیبِ وادیٔ رنگیں ہے، مسندِ تبلیغ
فرازِ کوہِ گل افشاں ہے، منبرِ ارشاد
صدائے نے میں ہیں اورادِ اولیائے کرام
قبائے گل میں ہیں انفاسِ انبیائے جواد

مَتاعِ کُفر ملے، یا سَعادتِ ایماں
جلاؤ مشعلِ تحقیق، ہر چہ بادا، باد
خُوشا کہ جوشش، وہ دَورِ عظیم دُور نہیں
جَب، ایک موڑ پہ مل جائیں گے الٰہ و عباد

عیاشی و عمل

میں بھی، اس کا معترف ہوں مقبلانِ پختہ کار
جذبۂ علم و عمل ہے، دہر کا پروردگار
خونِ گرمِ باغباں، جب تک کہ لَو دیتا نہیں
جھوم کر آتا نہیں، گردوں پر، ابرِ نو بہار
دن کو برماتی نہیں ہے دھوپ، جب تک فکر کی
رات کو ملتا نہیں ہے، چاندنی کا آبشار

یہ فقط ذوقِ طلب ہے، یہ فقط پروازِ فکر
جس سے ، دانا کھیلتا ہے، ماہ و انجم کا شکار
ہاں، کلاہِ سعی ، کج کر کے ، سرِ فرقِ شعور
آج ، انساں ہے، قوائے بحر و بر کا شہریار
صَرف ہوتا ہے جو، ذوقِ کاوشِ تعمیر میں،
عمرِ الیاس و خضر، اُس ایک لمحے پر نثار
اسود و ابیض کو جو ہم رشتہ کر سکتا نہیں
بن نہیں سکتا سوارِ ابلقِ لیل و نہار
لیکن اس کے ساتھ ہی، یہ بھی رہے پیشِ نظر
دولتِ فرصت نہیں تو زندگی بے برگ و بار
بھاگتی ہے سایۂ تمکیں سے جو موجِ تپاں
دُہ، دلِ مجرم کی دھڑکن، قبرِ مُلّا کا فشار

عَقل کرتی ہے فرار اُس قوم سے، ہنگامِ صُبح
عَقل سے جو، شام ہوتے ہی، نہیں کرتا فرار
حَیف اُن افراد پر، رہتے ہیں جو، مانندِ سَنگ
صُبح کو بھی بُردبار، اَور شام کو بھی بُردبار
تیسرے دَرجے کے اِنساں کے سِوا، اَیسا ہے کون
بَن سکے جو، دائمی سنجیدگی کا راہ دار
ہر خطیبِ دائمُ الصّوم، اِک دبارِ مُستقل
ہر فقیہِ قائمُ اللیل، اِک عذابِ پائدار
خُودکُشی، اُس کے لئے، سَب سے بڑا کارِ ثواب
جو پیے شیرِ شُتر، اَور کھائے لَحمِ سوسمار
تابکَے؟ اَے بار بَرداران میدانِ عَمل
یہ پیاپے جاں فشانی، یہ دَمادَم خلفشار

یک نفس ہے، یک نفس، رقصِ حبابِ زندگی
اور یہ کافر یک نفس بھی، عشوۂ برق و شرار

دوڑ لے، اس یک نفس کو، دوڑ لے، بہرِ خدا
وقت کا دھارا، نہیں کرتا کسی کا انتظار

معتدل آوارگی، معقول حد تک سرخوشی
دولتِ بیدار ہے، بہرِ حیاتِ مستعار

خاطرِ مجموع پر ہے، اے طرب ناآشنا
صحتِ افکار و تہذیبِ عمل کا انحصار

ڈھول ڈھپا، دھرپٹخ، دھمال، دھاوا، دل لگی
بن پڑے پیارے، تو ان لٹکوں سے، دل کا زہر اتار

کاوشِ سنجیدہ سے، امیدِ غم خواری نہ رکھ
دل کا بیڑا تو کھلنڈرے پن ہی سے ہوتا ہے پار

ہاں، بھنا لے، اور بصد عجلت، شبِ امروز کو
التفاتِ صبحِ فردا کا بھلا کیا اعتبار
اک صدی کی محنتِ خوں ریز کا واحد علاج
صرف اک پل بھر کی سرشاری، ہیانِ لالہ زار
سقفِ نا آسودگی میں ڈال دیتی ہے شگاف
صرف اک پائل کی چھم چھم، ایک "پی ہو" کی پکار
ہچکیوں کو، موڑ دیتا ہے، ترانوں کی طرف
اک سرودِ بر محل، اک خندۂ بے اختیار
کھینچ لیتی ہے، تھکے انسان کی، رگ رگ سے درد
ایک طبلے کی ٹکور، اک بول کے سرگم کی دھار
ذہنِ انساں کو دکھاتی ہے صراطِ مستقیم
رقص کی ترچھی جھڑی، آواز کی آڑی پھوار

قطع کر دیتا ہے، بے کیفی کے صد ہا سلسلے
ایک، مست آنکھوں کا ڈورا، ایک، سارنگی کا تار

چھین لیتا ہے بصارت، فتنہ ہائے دہر کی
نرگسِ تر کاں میں، اِک حرفِ تمنّا کا اُبھار،

رقص و نقاشی و موسیقی و شعر و آذری
کوئی پھول، ان میں سے چن لے، اے رہینِ خار زار

کوئی خلوت کا تبسّم، کوئی جلوت کا خروش
کوئی سرشاری کا دھندا، کوئی دُھن کا کاروبار

کوئی "نموا کے تلے[1] ڈولی" کوئی "ہو[2] بالما"
کوئی "امریوں کی کجری، کوئی برکھا کا ملہار[3]"

کوئی میلا، کوئی ریلا، کوئی بھگدر، کوئی بھیڑ
کوئی اندر کا اکھاڑا، کوئی پریوں کا دُوار

---

[1] ایک برکھا کا گیت "نموا تلے ڈولی رکھ دے کہار، آئی ساون کی بہار" [2] ایک ٹھمری کا بول۔
[3] "امریاں" آموں کا باغ۔ "کجری" برکھا کا گیت [4] ایضاً۔

کوئی "نوٹنکی"[1]، کوئی "اندر سبھا"[2]، کوئی سوانگ
کوئی ہولی کی پھبن، کوئی دِوالی کا نکھار
ہاں، کوئی صبحِ بنارس، ہاں، کوئی شامِ اودھ
کوئی نہرِ نغمہ دربر، کوئی شہرِ لالہ بار
کوئی دربارِ تبسّم، کوئی سرکارِ جمال
کوئی بامِ کامرانی، کوئی جامِ زرنگار
کوئی رس، کوئی چکاس، کوئی غفلت، کوئی اونگھ
کوئی محویّت، کوئی مستی، کوئی بوس و کنار
کوئی گمت[3]، کوئی مُوحق، کوئی ہلچل، کوئی گونج
کوئی چنچل، کوئی اچپل، کوئی کومل، کوئی نار
کوئی آہو، کوئی جگنو، کوئی کوکو، کوئی ہو
کوئی زانو، کوئی پہلو، کوئی گل رو، کوئی یار

---

1 ہنود کا ڈراما، جس میں نقاروں کی آوازوں پر رقص ہوتا ہے 2 حضرت جانِ عالم کی بارگاہ کا ایک منظوم ڈراما۔ 3 جشن، دھوم دھام (بزبان دکن)

کوئی چاہوں کا گلستاں، کوئی باہنوں کی دھنک
کوئی گیتوں کی سرو ہی، کوئی پیتوں کی کٹار
اِس دُھوئیں میں، کوئی دیپک کوئی چومک، کوئی چاند
اِس گلے میں، کوئی بدھی، کوئی مالا، کوئی ہار
کوئی نیچی تان، تغرِ بحر کو چھیدے ہوئے
کوئی اُونچا راگ، قلبِ آسماں کے آرپار
کوئی تو ہو، اِس ہجومِ دردِ ہستی کا طبیب
کوئی تو ہو، اِس گناہِ زیست کا آمرزگار
کوئی بازی، کوئی لت، کوئی حماقت، کوئی خبط
کچھ نہ کچھ تو چاہیئے، بابا، دوائے روزگار
نبضِ تن چلتی ہے، لیکن نبضِ دل چلتی نہیں
اِس بھیانک موت سے، اے نوعِ انساں، ہوشیار!!

23



ساحل پہ کبھی اذنِ روانی نہیں ملتا
بے آگ میں کودے ہوئے پانی نہیں ملتا